لبنیٰ جدون

عشق دُعا ہے

"بابا! کیا میں آجاؤں۔" لائبہ نے ہلکا سا دروازہ کھول کے اندر جھانکا اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ۔ بابا کی جان!" انہوں نے مسکرا کے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

"بابا! کیا پڑھ رہے تھے۔" اجازت ملتے ہی وہ ان کے سامنے والی کرسی پہ آن بیٹھی۔

"بچے! یہ کتاب "ہم دیکھیں گے" کافی اچھی ہے۔ تم بھی پڑھو۔ مزا آئے گا۔" وہ کتاب اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"نہیں بابا! میں آج کل ایک اور کتاب پڑھ رہی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا۔ بھلا ہماری بیٹی آج کل کون سی کتاب پڑھ رہی ہے۔" انہوں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ابھی اس کے نام سے لاعلم ہوں۔ جب پوری پڑھ لوں گی تو نام خود ہی رکھ لوں گی۔" وہ عمر خان کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب۔" وہ اس کے دیوانے پن پہ مسکرائے۔

"بلاعنوان ہے بابا! جب ساری کتاب پڑھ لوں گی تو عنوان کا تعین خود بخود ہی ہو جائے گا۔" اس نے ذو معنی لہجہ اختیار کیا۔

"انٹرسٹنگ۔"

مکمل ناول

"بابا! وہ کتاب کس کے متعلق ہے... پوچھیں گے نہیں؟" لالئی نے نظریں ان کے چہرے پہ جماتے ہوئے سوال کیا۔

انہوں نے بنا سوال کے اسے دلچسپی سے دیکھا۔

"آپ اور اماں کے متعلق... ان لکھی کتاب ہے بابا! مگر میں پڑھتی جارہی ہوں۔" وہ سر جھکا کے بولی۔

عمر خان نے جھٹکے سے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ جو دھان پان سی کمزور سی لڑکی تھی، مگر ان کے اندر جھانکنے کی خواہش مند تھی۔

"بابا! کیوں نہیں یہ فاصلے سمٹ رہے، خواہش کے باوجود۔ کیا انا کا وزن محبت سے زیادہ ہے؟ محبت تھی نہیں تو خدا کو حاضر ناظر جان کرتائیں کہ اب ہو نہیں گئی؟"

عمر خان اس کے سوال کا کیا جواب دیتے کہ وہ خدا کو حاضر ناظر جان کے حقیقت سے منکر تو نہیں ہو سکتے تھے، سو چپ رہے۔

"بابا! آپ چاہتے ہیں نا کہ یہ دوریاں سمٹ جائیں۔" اقرار کرنے کا حوصلہ کم از کم بیٹی کے سامنے نہ تھا۔

وہ چند ثانیے انہیں دیکھتی رہی اور پھر اٹھ کے آہستہ آہستہ بیڈ سائیڈ کے پاس آئی اور کرسٹل کے نفیس جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے اپنے شان دار شخصیت والے بابا جان کو دیکھا۔ جن کی آنکھوں میں کھو دینے کا احساس دکھائی دے رہا تھا۔

کھدر کی کالی شلوار قمیص پہنے کندھوں پہ روایتی براؤن شال لیے اور خون چھلکاتے سرخ و سفید پاؤں میں پشاوری چپل پہنے وہ آج بھی انتہائی گریس فل شخصیت کے مالک تھے۔

سوچوں کو جھٹک کے وہ اٹھی اور پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھایا۔

"بابا! پانی۔"

"ہوں... ہاں... طلب بھی تھی۔" انہوں نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کے چند ہی گھونٹ لیے اور گلاس اسے لوٹا دیا۔

"بابا! آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔"

گلاس ٹیبل پہ رکھ کے وہ پلٹی تو سوال بدستور موجود تھا۔

وہ خاموش رہے تو اس نے دوبارہ پوچھا۔

"کچھ سوالوں کے جواب نہ دینے میں ہی عافیت ہوتی ہے لالئی بچے! انسان اور رشتوں کا بھرم رہ جاتا ہے۔"

"لیکن بابا! کبھی کبھی انسان اپنے اندر کے دکھوں کو اٹھائے اٹھائے تھک بھی تو جاتا ہے اور اس وقت اس کا چہرہ اس کی ان اذیتوں کا آئینہ بھی بن جاتا ہے، جو وہ اپنے اندر سہہ رہا ہوتا ہے۔ کبھی تو ان زخموں کا بھی حساب ہونا چاہیے۔"

وہ انہیں محسوس کرتی تھی۔ انہیں جانتی تھی... کہ انہوں نے ایک جنگ لڑی تھی اور اس جنگ کی تباہ کاریاں اب انہیں نڈھال کیے ہوئے تھیں۔

"یار ہا حساب کیا ہے میری جان! ہمیشہ گھاٹے میں رہا ہوں۔" وہ افسردگی سے بولے۔

"خود حساب کتاب کر کے خود ہی منصف بن جانا انصاف تو نہیں بابا جان!" وہ ان کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"تو پھر کیا کروں... بولو تم... کس سے کہوں اپنا دکھ... اس سے، جو پتھر بنی بیٹھی ہے۔" وہ اذیت سے چیخ اٹھے۔

"بابا جان! میں سنوں گی۔ آپ اعتبار تو کریں۔ میں ان کے برف وجود کو بھی توڑوں گی اور آپ کے زخموں کا بھی مرہم بن جاؤں گی۔" وہ بے بسی سے رو دی۔

"تم سے میری اتنے سالوں کی محبت تو توڑ نہ سکی۔ تم کیسے سب کر پاؤ گی، جاؤ لالئی! جاؤ۔ تنگ نہ کرو۔" انہوں نے منہ موڑتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابا... اب اور نہیں... اب اس لاوے کو باہر آنے دیں۔ اس بھڑکتے ہوئے لاوے کو اب آپ کو اپنے وجود سے نکالنا ہو گا۔ بہت جلا لیا ہے آپ نے خود کو۔ کچھ تو زندگی کا احساس جاگے آپ کے اندر... کچھ سانسیں تو نصیب ہوں آپ کو... بابا... برا نہ مانیں، مگر وقت سے پہلے آئے بڑھاپے کی تھکن آپ کے چہرے پہ بہت واضح ہے۔ آپ دونوں نے بس ایک رشتے کا بھرم رکھا ہوا ہے... پلیز بابا... پلیز گرا دیں اس نام نہاد انا کی دیوار کو۔ تھام لیں ان کا ہاتھ کہ گزری راتوں کا حساب کتاب بہت لمبا ہو چکا ہے اور تسلیم کر لیں اس قسمت کے لکھے کو۔" وہ ان کی گود میں سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

عمر خان کا ہاتھ اپنی حساس بیٹی کے بالوں پہ پڑا تو اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کے ان کی جانب دیکھا جہاں ان کی آنکھوں میں تیرتی نمی لالئی کا دل چیر گئی۔ جیسے بارش سے بھیگی گھاس پہ پانی کے چند قطرے... اگلے ہی لمحے انہوں نے نظریں چرا لیں اور اٹھ کے اپنی صندل کی لکڑی سے بنی الماری میں کچھ تلاش کرنے لگے جو شاید کہیں اور کھو گیا تھا۔

لالئی سے پھر وہاں ٹھہرا نہ گیا۔ کمرے میں آئی اور پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

ہوش سنبھالتے ہی اسے بابا اور اماں کے دکھوں کا ادراک بنا ان سے پوچھے ہی ہو گیا تھا۔ وہ جان گئی کہ وہ دونوں ہی نایاب تھے۔ یوں رل جانے کے قابل نہ تھے۔ مگر وقت کی بے رحم طوفانی موجوں نے انہیں اتنے زخم دیے تھے کہ دونوں محسوسات کی دنیا سے ہی عاری ہو گئے تھے۔ وہ دونوں جو ایک دوسرے سے بھاگ رہے تھے۔ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ وہ ایک دوسرے سے کتنی محبت کرنے لگے تھے۔ خیر اماں تو شروع سے ہی بابا کی چاہت میں گرفتار تھیں مگر وقت نے درمیان میں بہت موٹی دیوار بنا دی تھی۔ اب اس دیوار کو توڑنے کا حوصلہ ایک میں بھی نہیں تھا۔ بابا تو اس لیے بھی زیادہ تھک گئے تھے کہ اس دیوار کی تعمیر میں ان کی محنت بہت زیادہ تھی۔

عمر خان اور فاطمہ بی بی کے تین بچے تھے۔ سب سے بڑا زیاد خان، پھر لالئی اور سب سے چھوٹی ملالئی۔

زیاد خان کو اپنے بابا سے بہت زیادہ پیار تھا مگر اس کا مزاج ایسا تھا کہ وہ اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا مگر لب خاموش ہی رہتے۔ ملالئی کی فطرت چلبلی تھی۔ ہر ایک سے ہنسی مذاق کرتی... زندگی کے ایک ایک لمحے سے خوشیاں کشید کرنے کے ہنر سے واقف... البتہ لالئی نے اپنے اندر اپنے بابا اور اماں کا روگ پال رکھا تھا۔ اس کی ایک ہی کوشش تھی کہ ان دونوں کو دکھوں کے اس سفر سے واپس لے آئے۔ مگر اسے راہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بھنڈی اس بار جلدی نہیں آگئی۔" ثوبانہ شاہ نے ریڑھی پہ بھنڈی دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "پرانی تو نہیں اسٹور کی ہوئی۔"

"ارے نہیں باجی... یہ دیکھیں بالکل تازہ ہے۔"

اس نے دیکھتے ہی دیکھتے بھنڈی اٹھائی اور درمیان سے توڑتے ہوئے اس کی تازگی کا ثبوت پیش کیا۔ ثوبانہ شاہ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

شریک سفر

زہرہ ممتاز

قیمت -/550 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر:
32735021

کا دل بری طرح دکھا۔
"کیا توڑ کے ہی سچائی کی گواہی تسلیم کی جاتی ہے چاہے وہ انسان ہو یا کوئی بے جان چیز۔"
"کتنی تول دوں باجی!" اس نے ترازو اٹھایا تو ثوبانہ شاہ کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا۔
"آدھا پاؤ ادرک لہسن اور آدھا کلو بھنڈی اور ایک کلو ٹماٹر ڈال دو۔ میں ماسی کے ہاتھ پیسے بھیجتی ہوں۔" وہ بتا کے اندر آگئیں کہ ان کی آنکھوں کو ترازو میں تلنے کا منظر خوف زدہ کر دیتا تھا۔ ثوبانہ شاہ گیٹ سے اندر آئیں، جہاں رشیدہ بڑا گیٹ کھولے کار پورچ دھو رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح دوپٹا کمر کے گرد بندھا تھا۔ آنے جانے والوں کی بری نظروں سے بے نیاز وہ اپنے کام میں مگن تھی۔
"رشیدہ! جاؤ ریڑھی والے سے سبزی لے آؤ اور اسے پیسے حساب کر کے دے آؤ۔" ثوبانہ نے پرس سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر رشیدہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"جی بی بی! ابھی دے آتی ہوں۔" وہ دوپٹہ کھول کے لاپروائی سے گلے میں ڈالتے ہوئے بولی اور سبزی لا کر کچن میں رکھی اور بقایا رقم ثوبانہ شاہ کے حوالے کر کے دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی۔
ثوبانہ کا دماغ اس سے پہلے کہ ماضی کی تلخ یادوں کی جانب مڑتا، رشیدہ کی آواز انہیں واپس لے آئی۔
"باجی! میرا کام ختم ہو گیا ہے اب جاؤں؟" اس نے اجازت مانگی، جو فوراً" مل گئی۔
اس کے جانے کے بعد گیٹ بند کر کے اپنے چھوٹے سے لان میں موجود آم کے درخت کی چھاؤں میں رکھی کرسی پہ آن بیٹھیں اور اپنی ذات کے سفر پہ نکل کھڑی ہوئیں۔ پتوں سے چھن چھن کر آنے والی دھوپ انہیں زندگی کے تپتے صحراؤں میں نہ جانے کہاں سے کہاں لے جاتی تھی۔
سوچوں کے سمندر میں ناؤ ڈالتیں تو کنارے گم ہو جاتے تھے۔ کشتی منہ زور طوفانوں میں گھر جاتی اور سب کچھ پیچھے رہ جاتا۔ اگر کچھ یاد رہتا تو صرف یہ کہ وہ زندگی کی جنگ بہت بری طرح ہاری تھیں۔ مات بھی ایسی کہ پھر کبھی لڑنے کی ہمت ہی نہ کر سکیں۔ اس بے دردی سے زخم لگایا تھا کہ اس گھاؤ کی تکلیف آج بھی اسی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ حالانکہ مارنے والے کے ہاتھ نہ خنجر تھا اور نہ تلوار۔ پھر کیا تھا اس کے ہاتھ میں؟ ہاں... ان ہاتھوں میں ترازو تھا۔ انصاف کا علمبردار... تو پھر اس میں تل کے میں رسوا کیوں ہو گئی۔ اس ترازو میں نہ انصاف تھا اور نہ ہی احترام... صرف انسانیت کی رسوائی تھی۔ وقار انسانیت کی توہین، ظلم اور صرف ظلم، مگر پر تب جلے جب بڑے بڑے دعوے کرنے والے نے بیچ منجھدار کشتی ڈبو دی، یوں کہ سنبھلنے کا موقع بھی نہ مل سکا۔ سرکش لہروں نے ہر لمحہ اذیتوں کے نئے باب کھولے۔ کوئی خوشی پھر ثوبانہ شاہ کے قریب نہ آسکی۔
ان حالات میں اگر فیض اور شبیر کا ساتھ نہ ہوتا تو یقیناً" ہوش مندوں کی صف سے نکل چکی ہوتیں۔ کسی سڑک، کسی چوراہے پہ "اللہ کے نام پہ" کی صدائیں لگا رہی ہوتیں۔ کاسہ گدائی میں چند سکوں کے بجائے تھوڑی سی خوشیاں مانگ رہی ہوتیں۔ بہت ممکن تھا کہ زندگی کی ڈور بھی کٹ چکی ہوتی۔

☼ ☼ ☼

راہ داری سے گزرتے ہوئے ننھے فرشتے کی چیخ و پکار پہ ڈاکٹر زیاد مسکرا دیا۔ اسے آج تک اس احتجاج کی وجہ سمجھ نہیں آئی تھی کہ آخر دنیا میں آنے والی یہ چھوٹی مخلوق اتنا ہنگامہ کیوں کرتی ہے۔ وہ دنیا کی تکلیفوں سے آگاہ کیسے ہو جاتی ہے۔ اپنے خیالوں میں مگن وہ آگے بڑھ رہا تھا کہ ڈاکٹر ساریہ گائنی ڈپارٹمنٹ سے نکل کر اس کے ساتھ چلنے لگی۔
"یہ اکیلے کیلے کیوں مسکرایا جا رہا ہے ڈاکٹر صاحب!"
"ساری دنیا احتجاج کر رہی ہے آج کل... مانا کہ ان کے مسائل ہیں... کسی کو دھماکوں نے ڈس رکھا ہے کسی کو سیلاب نے... کسی کو بجلی نے نچایا ہوا اور کسی کو مہنگائی نے... مگر ان کا دنیا میں آتے ہی احتجاج کرنا سمجھ سے بالاتر ہے۔" زیاد خان بچوں کے وارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
ساریہ ہنس دی۔
"مجھے جناب سے کچھ بات کرنی ہے، اگر وقت دیں تو۔"
"چلیں کیفے ٹیریا میں بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ کچھ کھا پی بھی لیتے ہیں۔" ساریہ نے کیفے کی جانب مڑتے ہوئے کہا۔
"جی فرمائیں۔" چائے اور اسنیکس کا آرڈر دے کے وہ ساریہ کی جانب مڑا تو اس نے پوچھا۔
"تم نے اپنے گھر والوں سے بات کی؟" جواباً" ساریہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"مگر کیوں...؟"
"اس لیے کہ میں چاہتی ہوں کہ تمہارے اماں، بابا کا فیصلہ تو پتا چلے۔ اپنے گھر والوں کو میں منا لوں گی۔" وہ پریقین انداز میں بولی۔
"اور اپنے اماں بابا کو میں خود منا لوں گا۔"
"تو پھر بھیجو نا انہیں۔"
"کیوں بہت جلدی ہے تمہیں۔" وہ شرارت پہ اتر آیا تو بار حیا سے ساریہ کی پلکیں جھک گئیں۔
"ساریہ! انسان محبت میں سب کچھ بھول کیوں جاتا ہے۔ یہ محبت کم بخت سحر بن کر سوچوں کو مفلوج کیوں کر دیتی ہے۔ تم ساتھ ہوتی ہو تو میں خود سے بھی بیگانہ ہونے لگتا ہوں۔ سب کچھ بھول جاتا ہوں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے دیوانگی سے بولا تو اس نے جھٹ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔
"زیاد! یہ پبلک پلیس ہے۔"
"یہ محبت ہے ساریہ! کیا تم نہیں جانتیں یا اقرار محبت سے ڈرتی ہو۔"
"زیاد! میں آگے وقت سے ڈرتی ہوں۔" وہ سر جھکا کے بولی۔ اس کے لہجے میں چھپے خدشات سے وہ بخوبی واقف تھا۔
"میرے ساتھ ہو کے ڈرتی ہو... ہاں... یہ ضرور ہے کہ حالات اتنے آسان نہیں ہیں، مگر مجھ پہ بھروسا رکھو... میں ان شاء اللہ اپنی محبت کی جنگ جیت لوں گا۔ لیکن یہ بھی طے ہے کہ میں اس محبت میں اپنے کسی پیارے کو کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا کہ وہ مجھے بہت عزیز ہیں۔"
"اور اگر وہ نہ مانے تو...؟"
"مجھے یقین ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ میری محبت کی پرواز کوئی عام نہیں ہے۔"
اگلے پل دونوں یوں مسکرائے جیسے زندگی کے سارے رنگ مسکرا اٹھے ہوں۔
"زیاد! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ کیا واقعی تم پتھریلے پہاڑوں کے باسی ہو جہاں کی برفیلی ٹھنڈ میں جوان ہونے والے پٹھانوں کے لیے اپنی روایات سب سے مقدم ہوتی ہیں۔" اس کے لہجے میں اس کے خوف بول رہے تھے۔
"روایات تو ہمارا اوڑھنا بچھونا ہیں ڈیر!" اس کے انداز گفتگو پہ ساریہ نے گھبرا کے اسے دیکھا۔
"مجھے تب ہی تو ڈر لگتا ہے زیاد... جب فیصلے کا وقت آتا ہے تو روایات کا بھنور فاتح بن کے تاج پر سجا لیتا ہے۔ محبت کی کشتی نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے ہاتھوں سے ڈبونی پڑتی ہے۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی کہ ماما کے ذریعے ہی اسے ثوبانہ خالہ کے بارے میں صرف اتنا پتا چلا تھا کہ وہ بھی ان ہی رسموں کی ڈسی تھیں۔
"روایات کا بہت غلط مفہوم لیتے ہو تم شہری لوگ... کتنا بھیانک تصور ہے تم لوگوں کے ذہن میں... بہرحال میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا۔"
"سوری زیاد! مگر مجھے یہ خوف سونے نہیں دیتے۔" وہ تڑپ کے بولی تھی۔
"جب نیند تمہاری آنکھوں سے روٹھ جائے تو میری محبت کی ردا اوڑھ لیا کرو۔ آنکھیں خود ہی نیند بن جائیں گی۔" اس کے لہجے میں چاہتوں کا ہر رنگ تھا۔

"زیاد! میں چلتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ تم بہک جاؤ۔" وہ کہہ کے اٹھی اور بنا اسے دیکھے وہاں سے نکل گئی۔ زیاد خان نے انتہائی سکون سے آنکھیں موندھ لیں۔

☼ ☼ ☼

"عمر خان! کل دلاور خان ملا تھا۔ وہ بہت شرمندہ ہے تم سے۔ جرگہ بلا کے تم سے اور فاطمہ بی بی سے معافی مانگنا چاہتا ہے۔" جبار خان نے عمر خان کے چہرے پہ نظریں جماتے ہوئے کہا تاکہ اس کے تاثرات سے اندازہ لگا سکیں، مگر وہ پتھر کی مانند سخت تھے۔

"خان لالا! آپ کیوں ملتے ہیں ان لوگوں سے۔ کیوں بات کرنے کا موقع دیتے ہیں۔ زندگیوں سے کھیلنے والوں کے لیے کوئی معافی نہیں ہوتی۔ وہ بھول جائے اس بات کو کہ وہ کبھی اپنی بہن سے مل پائے گا یا اس کا چہرہ دیکھ پائے گا۔ اس نے نہ صرف میری زندگی کو تماشا بنایا بلکہ اپنی بہن کی زندگی بھی برباد کی۔ ہمت ہے تو آ کے دیکھے کہ اس کی بہن میرے گھر میں تلسی کے پودے کی مانند زندگی گزار رہی ہے۔" عمر خان کا لہجہ انتہائی سخت ہو گیا۔

"فاطمہ بی بی کی اماں کی طبیعت کافی خراب ہے۔"

"خان لالا! جو شخص اپنی بہن کو رسوا کر دے اس سے کیا ہمدردی۔ آپ کو خوامخواہ ترس آ رہا ہے اس پہ..... رونے دیں اسے۔ میں اسے معاف نہیں کروں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے گا۔" عمر خان نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

یہ وہ واحد مقام تھا جہاں ان کے ہر فیصلے پر سر جھکا دینے والا عمر خان چٹان بن کے اپنی بات پہ جم جاتا تھا۔ اس کا سر صرف نفی میں ہلتا تھا۔

"خان لالا! اس نے اپنی بہن میرے پاس رہن رکھوائی تھی۔ قیمت ادا کرے اور رہن چھڑوا لے۔"

"کیا مطلب....." جبار خان نے حیرت سے پوچھا۔

"جرگے میں آ کے اپنی بہن سے معافی مانگے اور اس بات کا اقرار کرے کہ انہوں نے کیسے جرگے کے منصفوں کو خریدا تھا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے عمر خان..... تم جانتے ہو کہ اس میں بڑے بڑے نام آئیں گے۔" جبار خان کی آواز حیرت سے پھٹ گئی۔

"انسان بڑا نام سے نہیں بلکہ اپنے اعمال سے ہوتا ہے خان لالا! انہوں نے کتنا چھوٹا کام کیا، دیکھا نہیں آپ نے۔ چند سکوں کے عوض جب منصف بک جائے تو آپ انہیں کیا کہیں گے۔ انہیں خدا کا خوف بھی نہیں آیا کہ کیسے انہوں نے اسے مجھ سے جدا کر ڈالا، جو میرا محبت بھرا ہاتھ تھام کے خوابوں کی تعبیر پانے آئی تھی اور رسوائی کا طوق گلے میں لٹکائے ہوئے لوٹ گئی۔ خان لالا! وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی۔" آج پہلی دفعہ عمر خان نے کسی کے سامنے یہ اقرار کیا تھا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو عمر خان!" جبار خان کی زبان لڑکھڑائی۔

عمر خان نے دکھ سے سر جھکا لیا۔ آج پھر زخم تازہ ہو گئے تھے۔

"یہ بات تم آج بتا رہے ہو۔" جبار خان کا دل بھائی کی اذیتوں پہ تڑپ اٹھا۔

"لالا! اس نے فیصلے والی صبح ہی مجھے بتایا تھا اور مجھے واسطہ دیا تھا کہ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کروں۔"

"مگر کیوں....."

"کیونکہ ہم دونوں ہی ڈر گئے تھے کہ ہمارے بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"

"اف خدایا..... عمر خان! میں تمہارے کون کون سے دکھ پہ روؤں۔" جبار خان نے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"تم نے پھر اسے ڈھونڈا؟" کچھ توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"جی لالا..... مگر نہ جانے اسے زمین کھا گئی تھی کہ آسمان..... وہ اپنے ماں، باپ کے گھر بھی نہیں گئی تھی۔ اگر چلی بھی جاتی تو مایوس ہی ہوتی کہ اس نے مجھ سے شادی ماں، باپ کی مرضی کے خلاف کی تھی۔ انہیں

اس بات کا کافی دکھ بھی تھا۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولے۔

"عمر خان! تم جانتے تھے کہ تمہاری بات فاطمہ بی بی سے طے ہے تو پھر تم نے ایسا پاگل پن کیا اور پھر اسے لے کے بھی یہیں آ گئے۔"

"خان لالا! میں سمجھا تھا کہ میں اسے منوا لوں گا۔ مگر میں اپنی محبت کا بھرم نہیں رکھ پایا۔" عمر خان کو اپنے ہر دکھ کو ہلکا کرنے کے لیے ایک ہی کندھا نظر آتا تھا اپنے جان سے پیارے بڑے بھائی جبار خان کا، جو اس کے ہر ہر دکھ کے ساتھی تھے۔

"بہرحال اب تمہیں حوصلہ کرنا ہے کہ اب تمہارے بچے جوان ہیں۔ بھرم رکھنا پڑے گا۔" انہوں نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

خان لالا کے جانے کے بعد ان کی سوچوں کا رخ ثوبانہ سے ہوتا ہوا فاطمہ بی بی کی جانب چلا گیا۔

فاطمہ نے میرے ہاتھوں میں اپنی بے قدری اور ذلت کتنی ہمت سے سہی ہے۔ اس کی تو تمام عمر ہی رائیگاں گزری۔ مجھے اس کی بربادی کا دکھ ہے۔ وہ بھی تو بے بس تھی۔

اکثر عمر خان کا جی چاہتا تھا کہ وہ آگے بڑھ کے ان کا ہاتھ تھام لیں اور ان کے چہرے کی اداسی کو دور کر دیں۔ جو عمر خان خود نہ پا سکے، وہ محرومی ان کے مقدر سے کھرچ ڈالیں۔ وہ جانتے تھے کہ وہ ان سے محبت کرتی تھیں۔ وہ رو، رو کے عمر خان سے محبت کی بھیک مانگتی رہیں، مگر جواب میں عمر خان نے سوائے نفرت، اذیت اور تکلیف کے انہیں کچھ نہ دیا۔ عمر خان کا رویہ ان کے ساتھ انتہائی ہتک آمیز رہا۔ شادی کے پہلے تین سالوں میں وہ عمر خان کے لیے تختہ مشق بنی رہیں۔ ذلت کے سب سے نچلے درجے پہ عمر خان نے انہیں بٹھایا اور جب احساس ہوا تو وہ پتھر ہو چکی تھیں۔

اس پتھر کو پھر توڑتے توڑتے عمر خان کے ہاتھوں پہ چھالے پڑ گئے تھے۔

"خان جی! یہ دودھ لے لیں۔" خاندانی ملازمہ نے رومال سے ڈھکی ٹرے میز پہ رکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے اسے ٹرے لوٹا دی۔

وزرے نے جا کر فاطمہ بی بی کو بتایا تو وہ پریشان ہو گئیں۔

"کیوں؟"

"پتا نہیں خانم!"

"اچھا تم جاؤ۔"

وزرے کے جانے کے بعد فاطمہ بی بی کو عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔ خود ان کا عمر خان کے کمرے سے تعلق ٹوٹے کئی سال گزر چکے تھے۔ کیسے ان سے بات کرتیں۔ بے چینی بڑھی تو اٹھ کے لالئی کے کمرے میں آ گئیں۔

"اماں آپ..... ابھی تک سوئی نہیں۔" وہ فوراً تابعداری سے بیڈ سے اٹھی اور حیرت سے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت تک وہ سو جاتی تھیں۔

"لالئی! جاگ رہی ہو بچے؟" انہوں نے ممتا کی ساری مٹھاس لہجے میں سموتے ہوئے پوچھا۔

"جی اماں! یہ کتاب پڑھ رہی تھی۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا لالئی! ذرا اپنے بابا کی طرف چکر لگا لو، آج انہوں نے دودھ بھی نہیں لیا اور کھانا بھی برائے نام ہی کھایا ہے۔" فاطمہ بی بی نے فکرمندی سے کہا تو وہ فوراً کتاب میز پہ رکھ کے اٹھی۔

"ابھی دیکھتی ہوں۔"

"تمہاری بے رخی کی کوئی تو حد ہو گی عمر خان..... کاش! تم مجھے میری ریاضتوں کے بدلے اتنا حق تو دیتے کہ مجھے کمرا بدر نہ کرتے..... میں تمہیں جیتنے کا حوصلہ تو کرتی۔"

"خاندانی بیوی لانے کا مقصد بچے پیدا کرنا ہے، سو تم نے کر لیے۔ تمہاری حیثیت پہلے کسی جانور کی سی تھی۔ اب تمہاری ترقی ہو گئی ہے، اب تم میرے پاؤں کی جوتی کے برابر ہو گئی ہو۔" عمر خان نے ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے کمرے سے نکال دیا۔ اس وقت ملالئی صرف تین دن کی تھی۔

عمر خان کے جانے کے بعد ملازمہ بھاگ کے ان

تک آئی اور فاطمہ بی بی کو دوسرے کمرے تک پہنچایا۔ عمر خان کے سامنے تو اسے یہ نیکی گلے پڑ جاتی۔

اس دن عمر خان نے بابا جان کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھایا تھا۔ وگرنہ عمر خان اتنی ہمت نہیں کر سکتے تھے۔ عمر خان کی نافرمانی پہ خود اس کے اپنے بابا نے فاطمہ بی بی کے بھائی دلاور خان کو یہ کہہ کر عمر خان کے خلاف جرگہ بلا لیا تھا اور پھر اپنے اثر و رسوخ سے ایسا فیصلہ دلوایا کہ عمر خان اور ثوبانہ پھڑک بھی نہ پائے۔ رشتے کی ڈور تو نہ ٹوٹی مگر دونوں کا ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوٹ گیا۔ اسے کیسے واپس بھیجا گیا۔ عمر خان سے سب کچھ پوشیدہ رکھا گیا۔ خود عمر خان کی حالت دیوانوں کی سی تھی مگر بابا جان کے سامنے سر نہ اٹھا سکے۔

بابا جان نے جلد سے جلد پوتے کی خواہش کر ڈالی۔ عمر خان کا فاطمہ سے صرف اذیت کا رشتہ تھا۔ جب اس نے فاطمہ کے وجود کو بری طرح دھتکارا تو بابا جان نے اسے تیسری شادی کا کہنا شروع کر دیا۔ مگر فاطمہ بی بی کے بعد ایک اور اذیت عمر خان کو منظور نہ تھی۔ بابا جان کی خاطر پہلی شادی کے چھ ماہ بعد وہ مجبوراً ان کی طرف بڑھے اور پھر خدا نے یکے بعد دیگرے زیاد خان، لالئی اور ملالئی سے نوازا... اور پھر وہ کمرا بدر ہو گئیں۔

اس سے پہلے کہ یہ خبر بابا جان تک جاتی، ان کو پڑنے والا دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ زندگی کی بازی ہار گئے۔

بابا جان کے دنیا سے جانے کے بعد عمر خان نے پاگلوں کی طرح ثوبانہ کو ڈھونڈا مگر وہ نہ مل سکیں، پھر وہ سارا غصہ فاطمہ بی بی کے وجود پہ اترتا۔ عمر خان نے ان کی کلائی پہ جلتے سگریٹ سے ثوبانہ کا نام لکھا۔ وہ تکلیف سے چلاتی رہیں۔ چیخ چیخ کے سب کو مدد کے لیے پکارتیں، مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ عمر خان کا ہاتھ روک سکتا۔ ان کی کلائی پہ لگا وہ زخم ساون کا مہینہ ہونے کی وجہ سے بگڑ گیا، یہاں تک فاطمہ بی بی کو اسپتال جانا پڑا۔

اس رات زیاد خان بری طرح روتا رہا۔

عمر خان سے اپنے خون کا بلکنا دیکھا نہ گیا تو ملازمہ سے اسے لے لیا۔

"بابا! ماں پاس جانا ہے۔" ساڑھے تین سالہ زیاد روتے روتے ایک ہی ضد کر رہا تھا۔

"اچھا! میں اپنے بچے کو صبح لے جاؤں گا۔" عمر خان نے بہلانا چاہا، مگر اس کی ایک ہی ضد تھی۔

"مجھے ابھی جانا ہے نہیں تو اماں بڑی بی بی کی طرح مر جائیں گی۔"

با دل نخواستہ عمر خان کو اٹھنا پڑا۔ مگر وہاں آکر پہلی دفعہ عمر خان کو اپنے بدصورت رویہ کا احساس ہوا، جب نرس فاطمہ بی بی کے زخم سے سرنج کے ذریعے پیپ نکال رہی تھی اور وہ بری طرح تڑپ رہی تھیں۔

وہ ساری رات حویلی واپس آکر عمر خان سے سویا نہ گیا۔

بارہ دن بعد وہ اسپتال سے واپس حویلی آئیں تو اس دن کے بعد عمر خان نے ان سے ایک چپ کا رشتہ باندھ لیا لیکن پھر وقت نے وہ دن بھی عمر خان کو دکھایا کہ انہیں محسوس ہونے لگا کہ ان کی نظریں حویلی میں داخل ہوتے ہی فاطمہ بی بی کو تلاشنے لگتیں۔ مگر اب ان کے سامنے پہلے والی وہ فاطمہ نہیں تھیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ عمر خان کی ذمہ داریوں سے کبھی غافل نہ رہی تھیں۔ ان کے تمام کام انہیں وقت پہ ملتے۔ وہ کب چائے لیتے تھے، کب باہر جاتے تھے، کب انہیں سوتا ہوتا تھا سب فاطمہ بی بی کو پتا تھا اور انہوں نے اپنے فرض میں ایک دن بھی کوتاہی نہ کی۔ انہیں اب یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک قدم بھی عمر خان کی طرف بڑھاتیں تو وہ یقیناً مایوس نہیں ہوتیں، مگر اب خواہشوں نے کفن اوڑھ لیا تھا۔

"ارے اماں... آپ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں۔" لالئی واپس آئی تو ماں کو وہیں بیٹھے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔" بہانہ بنایا اور کمرے سے نکل گئیں۔

"کاش! آپ لوگوں کے لیے میں کچھ کر سکتی۔ اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ بابا کو کسی سے محبت تھی اور ان کی محبت ان سے چھین لی گئی اور زبردستی ان کی شادی کر دی گئی مگر اب آپ دونوں سب بھول کیوں نہیں جاتے۔ ہماری خاطر کہ ہم آپ دونوں کو ایک ساتھ دیکھنے کی تمنا رکھتے ہیں۔" وہ تکیے پہ سر رکھ کر رو پڑی۔

☼ ☼ ☼

"ماما... ماما!" حسب عادت یونیورسٹی سے واپسی پہ شبیر گیٹ سے ہی ثوبانہ شاہ کو آوازیں دینا شروع ہو گیا۔ کئی بار اس بات پہ ثوبانہ شاہ سے ڈانٹ بھی کھا چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید شور شرابا کرتا وہ فوراً کمرے سے نکل کر باہر آئیں۔

"آ گئے میرے شہزادے!" انہوں نے آگے بڑھ کے اس کا ماتھا چوما۔ شبیر نے ہمیشہ کی طرح انہیں اپنے توانا اور مضبوط بازوؤں میں گھما ڈالا۔ وہ ایسا ہی دیوانہ تھا۔

"ارے... رے شبیر! میری ہڈیاں اتنی مضبوط نہیں۔" وہ اسے ہلکا سا دھکا دے کر بولیں۔

"ارے آئرن لیڈی! آپ تو ہم جیسوں کو مات دیتی ہیں۔ بلکہ میں نے سنا ہے کہ لیڈیز آر ناٹی آفٹر فورٹی۔" اس نے بے تکی ہانکی۔

"یہ ہمارے بارے میں نہیں بلکہ تم جیسے بدمعاشوں کے بارے میں بولا گیا ہے۔" انہوں نے اس کا کان مروڑتے ہوئے کہا تو وہ بلبلا اٹھا۔

"اف ماما..."

"یہ بتاؤ کہ یہ تمہارا بھائی کہاں ہے؟"

"ماما! آ رہا ہے... راستے میں ہے۔" اس نے بھرپور سنجیدگی سے کہا۔

"ماما جانی! بہت زور کی بھوک لگی ہے... پکا کیا ہے۔" شبیر کپڑے بدل کے سیدھا کچن میں آ گیا۔

"کچھ اچھا ہی بنا ہے۔ تم ٹیبل پہ بیٹھو، میں کھانا لگاتی ہوں۔" وہ سلاد کی پلیٹ اسے پکڑاتے ہوئے بولیں، مگر وہ ٹیبل کے بجائے دم پہ رکھے دیگچے کی جانب بڑھا تو ثوبانہ شاہ اس کے ارادے بھانپ گئیں۔

"خبردار شبیر... ڈھکن نہ اٹھانا سارا دم خراب ہو جائے گا۔" اس کے ہاتھ پہ چپت لگاتے ہوئے بولیں۔

"دم خراب نہ ہو، بھلے بندے کا دم نکل جائے۔" وہ منہ بگاڑ کے بولا۔

"ویسے ماما..." وہ یکدم نئی توانائیوں سے پلٹا۔ "جو خوشبو بتا رہی ہے اگر وہی ڈش ہے تو ماما زندہ باد۔"

"جی بالکل، تمہاری پسندیدہ بریانی ہے۔" انہوں نے مزید اس کا ضبط آزمانے کا ارادہ ترک کیا۔

"زبردست ماما۔" وہ چہکا۔

ٹیبل پہ کھانا لگاتے ہوئے ثوبانہ شاہ کی نظر خاموش طبع فیض پہ جا پڑی۔ سفید شلوار قمیص میں نکھرا نکھرا کسی ریاست کا بانکا شہزادہ لگ رہا تھا۔ اس کے چھ فٹ کو پہنچتے قد کاٹھ پہ شلوار قمیص بجتی بھی خوب تھی۔

"فیض..." وہ بلا ارادہ ہی ممتا کے جذبے کی تسکین کے لیے اسے پکار بیٹھیں۔

"جی ماما..." وہ ٹی وی کی آواز آہستہ کرتے ہوئے بولا۔

"چاند... فریج سے دہی اور کولڈ ڈرنک نکال کر ٹیبل پہ رکھ دو اور اس ندیدے کو بھی بلاؤ۔"

"جی..." وہ تابعداری سے کہہ کے فریج سے چیزیں نکالنے لگا اور ساتھ ساتھ اسے آوازیں بھی دینے لگا۔

"ارے واہ... کیا خوشبو ہے۔" شبیر نے کہا تو فیض نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے فوراً بریانی کی ٹرے اٹھا لی۔ "یہ لیں ماما... ڈالیں۔"

ثوبانہ شاہ کے بعد خود آرام سے بریانی اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اس کا ضبط آزمانے لگا۔ حد تو تب ہوئی جب اس کا پسندیدہ پیس بھی نکال لیا۔

"ماما... اب دیکھیں نا اسے۔" وہ چڑ گیا۔

"یہ لو جناب..." فیض نے اپنی پلیٹ اٹھا کے اس کی طرف بڑھا دی۔

"اب اتنے اچھے نہ بنو... وہ میں خود ڈال لوں گا۔" اس نے شکریہ کے ساتھ پلیٹ لوٹائی۔

"ارے جگر۔ یہ میں نے تمہارے لیے ہی نکالے ہیں۔" فیض نے محبت سے کہا اور اپنے لیے پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا۔

"واہ ماما۔۔۔ زبردست۔" دونوں نے بے ساختہ ایک ساتھ کہا۔

"بوائز! مسکہ نہیں چلے گا۔"

"ایک تو ماما کو ٹین ایج لڑکیوں کی طرح یقین دلانا پڑتا ہے۔" شبیر کی زبان تو تھی ہی چمڑے کی بھلا کیسے نہ پھسلتی۔

فیض اور ثوبانہ شاہ دونوں ایک ساتھ مسکرا دیے۔

"ماما! محترم کا ٹین ایج لڑکیوں کے معاملے میں تجربہ تو دیکھیں۔" فیض نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ لیتے ہوئے چھیڑا۔

"بھائی کی کمپنی کا کچھ اثر تو ہونا تھا۔" وہ کندھے اچکا کے بلا۔

"ویری فنی۔۔۔" فیض نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی ٹیبل سے برتن اٹھانے میں ثوبانہ شاہ کی مدد کرنے لگا۔

"ماما! میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر آپ کی بہو میں آپ جیسا کھانا پکانے کی صلاحیت نہ ہوئی تو کیا ہوگا۔" شبیر نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

"تو ہم اس کے آنے سے پہلے ہی اس کے جانے کا بندوبست کردیں گے۔" فیض نے بنا ایک لمحہ ضائع کیے جواب دیا تو ثوبانہ شاہ مسکرا دیں جبکہ شبیر کے منہ کا ذائقہ ہی بدل گیا۔

"فیض! تم تو چپ ہی رہا کرو۔ وہ کیا ہے کہ اونٹ بولے گا تو زیرہ ہی کرائے گا۔ میری آنے والی کے بارے میں فیصلہ کرنے والے تم کون ہوتے ہو۔" شبیر نے کشن واپس اچھالتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوش فہمی ہے کہ پہلے تیری آئے گی۔" فیض نے کہا۔

"کیوں۔۔۔ پورے پانچ منٹ بڑا ہوں تم سے۔" اس مقام پہ شبیر کو اپنی خوش قسمتی قابل رشک لگی۔

"جی نہیں۔ ماما نے ایک دن خود کہا تھا کہ پہلے شبیر کی بھابھی آئے گی اور کان کھول کے سن لو کہ اس کے سامنے اس قسم کی اوٹ پٹانگ حرکتیں نہ کرنا ورنہ میں بالکل لحاظ نہیں کروں گا۔" ثوبانہ شاہ نے حیرت سے فیض کو دیکھا، جو بہت کم اس موڈ میں دکھائی دیتا تھا۔

"ماما! دیکھ رہی ہیں اسے۔ کسی غیر کی خاطر مجھے دھمکیاں دے رہا ہے۔ ابھی وہ محترمہ آئی نہیں تو یہ حال ہے، جو بنفس نفیس موجود ہوئیں تو کیا ہوگا۔" اس نے ماں کو شامل کیا۔

"ہاں بالکل! دیکھ بھی رہی ہوں اور سن بھی رہی ہوں۔"

"ویسے آپس کی بات ہے کہ خدا میری ماں کو سلامت رکھے، ان جیسی لذت تو مل ہی نہیں سکتی۔" شبیر نے یک دم کہتے ہوئے ثوبانہ شاہ کے ہاتھ چوم لیے اور پھر انتہائی عقیدت سے آنکھوں سے لگا لیے۔

ثوبانہ شاہ کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ زندگی تو ختم ہو چکی تھی۔ وہ دونوں ہی تو ان کی پیاسی زندگی پہ رم جھم کی طرح برسے تھے اور انہیں ایک نئی آس ملی تھی زندگی گزارنے کی۔

"ماما۔۔۔" فیض نے پکارا تو وہ نماز کا کہہ کر فوراً اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ فیض نے فوراً شبیر کی جانب دیکھا۔

"شبیر! ماما کو کیا ہو جاتا ہے، وہ اکثر ہنستے ہنستے دکھی ہو جاتی ہیں۔"

"کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ ماما نے اپنے اندر کوئی طوفان چھپا رکھا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ انہوں نے کوئی بہت بڑا زخم کھایا ہوا ہے۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔" فیض کہتے ہوئے گہری سوچ میں چلا گیا۔

"بہرحال اللہ ہماری ماں کو سلامت رکھے۔" شبیر نے کہا تو فیض نے فوراً "آمین" کہا۔

☆ ☆ ☆

"ساریہ! اٹھو بھئی! اتنی دیر ہو گئی ہے۔" لائبہ واحدی اس کے کمرے میں آئیں تو اسے بدستور سوتے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

عام طور پہ وہ چھٹی والے دن بھی جلدی اٹھ جاتی تھی۔ آج دس بجنے والے تھے۔ انہوں نے سلک کے خوب صورت پردے کھڑکیوں کے آگے سے ہٹائے تو روشنی جیسے ان ہی کی دعوت کی منتظر تھی۔ جھٹ سے اندر آ دھمکی۔ ساریہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ فوراً آنکھوں پہ ہاتھ رکھ لیے، پھر موبائل اٹھا کے وقت دیکھا تو یقین نہ آیا۔

"او۔۔۔ نو۔۔۔ میں اتنی دیر تک سوتی رہی، سوری ماما!" وہ بالوں کی پونی بناتے ہوئے بیڈ سے اتری۔

"اب منہ ہاتھ دھو کے فوراً" آجاؤ۔" وہ دھیرے سے مسکرائیں اور باہر نکل گئیں۔

"کتنے ظالم ہو تم زیاد خان میرا سونا جاگنا۔۔۔ سب پہ قابض ہو گئے ہو۔۔۔ میری نیند تک پر قبضہ جما بیٹھے ہو۔۔۔"

بالوں میں برش کرتے ہوئے وہ تصور ہی تصور میں زیاد خان سے شکوہ کرنے لگی اور پھر خیالوں کو جھٹک کر لان میں آگئی۔ جہاں اس کی توقع کے عین مطابق پاپا بیٹھے تھے۔

"السلام علیکم پاپا جانی۔۔۔" اور ساتھ ہی پھولوں کی گوڈی کرتے مالی چاچا کو بھی سلام کیا۔

"کیسی ہے ہماری ڈاکٹر صاحب۔۔۔ لگتا ہے خوب گہری نیند سوئیں۔" وقار واحدی نے محبت سے پوچھا۔

"جی پاپا۔۔۔ آج واقعی کافی تھک گئی تھی۔۔۔ وقت کا اندازہ ہی نہیں رہا۔" وہ سر جھٹک کر بولی جیسے ابھی بھی نیند کے خمار میں ہو۔

"مگر بیٹا وقت کو کبھی اندازے سے نہ گزارنا۔۔۔ اس کے ایک ایک پل کی خبر رکھنا، کیونکہ اس کے گزرنے کا بالکل پتا نہیں لگتا۔" انہوں نے جس حوالے سے بات کی تھی وہ بخوبی سمجھ گئی تھی۔

"جی پاپا۔۔۔" اس نے سر جھکا کے کہا۔

"ساریہ بیٹا! میں نے آپ سے جب بات کی تھی تو آپ نے وقت مانگا تھا۔ وقت کیوں مانگا۔ میں نے قطعاً" نہیں پوچھا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں وجہ نہیں جانتا تھا، بلکہ مجھے اپنی بیٹی پہ اعتبار تھا کہ وہ کوئی غلط فیصلہ نہیں کرے گی۔ میں اب بھی نہیں پوچھوں گا، مگر جو بھی فیصلہ کرنا وقت پہ کرنا۔"

"جی پاپا! میں آپ کو کبھی ہرٹ نہیں کروں گی۔ آپ کی محبت پہ دل بھر آیا تھا اور میرا یقین رکھیے گا کہ میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گی۔"

"مجھے اپنے بچوں پہ یقین ہے۔"

وہ اخبار کی جانب متوجہ ہوئے تو وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے اس کی نظریں نیلے گگن پہ جا ٹھہریں۔ جہاں نیلے آسمان کو کالے بادل دھیرے دھیرے گھیر رہے تھے۔

موبائل کی گھنٹی نے سوچوں کا تسلسل توڑا۔ توقع کے عین مطابق زیاد ہی تھا۔ "ہاں جناب! کہاں ہیں آپ۔" اس نے شگفتگی سے پوچھا۔

"جانتے تو ہو کہ چھٹی کا دن میرا میرے اپنوں کے لیے ہوتا ہے۔"

"تو ہم کیا غیر ہیں؟"

"بظاہر تو ہیں۔ اب دل کے حال تو خدا ہی جانتا ہے کہ دل نے کس سے کیا رشتہ باندھ لیا ہے۔ میرا آپ سے کیا رشتہ ہے۔" وہ اشتیاق سے بولی۔

"ان شاء اللہ جلد ہی وہ رشتہ سب کے سامنے بھی بندھ جائے گا۔"

"تو پھر تم اپنے پاپا سے بات کرو نا۔" ساریہ اصل بات کی طرف آئی۔

"کیا بات۔۔۔" وہ جان بوجھ کے معصوم بنا۔

"زیاد۔۔۔ پلیز میں بہت سیریس ہوں۔" وہ روہانسی ہونے لگی۔

"ساریہ! کیا مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔" زیاد اس کے رونے پہ پریشان ہو گیا۔

"تمہارے چھن جانے کا خوف میرے حواسوں پہ سوار ہونے لگا ہے۔ تم لوگوں کے قبیلے اور رسم و رواج۔۔۔" ذہن کے کسی کونے میں ثوبانہ خالہ کا انجام خوف کی صورت بیٹھا تھا۔ وہ کبھی بھی زیاد خان کو نہ بتا سکی کہ اس کی پیاری خالہ بھی اس جیسے ہی قبیلے کی

ڈسی تھیں۔

"ساریہ! جو چھین لیتے ہیں انہیں بھی چھن جانے کا خوف ہوتا ہے۔ تم نے بھی تو چھینا ہے نا مجھے مجھ سے۔ اب حفاظت بھی کرو۔"

"گھر والوں سے کب بات کروگے۔" اس نے دوبارہ پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں تھینکس ویک اینڈ پہ گاؤں جانے کا۔" اب کے سنجیدہ جواب آیا۔

"وہ مان تو جائیں گے نا۔"

"ماننا تو پڑے گا ورنہ وہ مجھے کھو دیں گے۔"

"اللہ نہ کرے کہ ایسا وقت آئے۔" وہ گھبرا گئی۔

"زیاد! آج پاپا نے ڈھکے چھپے لفظوں میں جو کہا ہے اس کے بعد میرا دل ڈرنے لگا ہے۔ گھر والے اب میرے مستقبل کے حوالے سے باتیں کرنے لگے ہیں۔ اس لیے میرا دل گھبرا رہا تھا۔" ساریہ نے کہا۔

"ساریہ! بس تم اتنا جان لو کہ تمہیں اب موت کے علاوہ مجھ سے کوئی جدا نہیں کر سکتا۔"

"اور زیاد خان! تم سے میری زندگی مشروط ہے۔ میں تم بن کچھ بھی نہیں ہوں۔" اس سے آگے نہ اس سے کچھ سنا گیا اور نہ بولا گیا۔

☆ ☆ ☆

"بابا! کل آپ زیاد لالا کی شادی کے متعلق بات کر رہے تھے۔" لائبہ ٹی وی کے سامنے بیٹھے عمر خان کے سامنے قالین پہ ہی بیٹھ گئی۔

"ہاں جی بالکل کی تھی۔" وہ مسکرائے اور ساتھ ہی ٹی وی بند کر کے اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

"تو آپ نے لالا سے پوچھا۔" بھائی کے معاملے میں ہر بہن کے چہرے پہ ایسی ہی خوشی دیکھتی تھی، جو اس وقت لائبہ کے چہرے پہ دیکھی جا سکتی تھی۔

"جی بالکل کی تھی کہہ رہا تھا کہ وہ ویک اینڈ پہ آ کے خود بتائے گا۔" عمر خان نے کہا تو وہ شرارت سے ہنسنے لگی۔

"مجھے پتا ہے وہ آ کے کیا بتائیں گے۔" اس کی بات عمر خان کے ساتھ ساتھ قریب سے گزرتی فاطمہ بی بی بھی چونکیں۔

"اماں! آپ بھی ادھر آئیں نا۔" لائبہ نے ماں کو پکڑ کے عمر خان کے بالکل سامنے والے صوفے پہ بٹھا دیا۔

عمر خان اور فاطمہ بی بی کی نظریں بے ساختہ مل کے جھک گئیں۔ دکھ کی ایک ہلکی سی لہر نے ان کے وجود کا احاطہ کر لیا۔

"اماں! پتا ہے لالا کو کون پسند ہے۔"

"کون۔" فاطمہ بی بی نے پوچھا۔

"مرجانہ۔" وہ کہہ کے عمر خان کی طرف مڑی۔

"تمہیں کس نے بتایا۔" عمر خان نے پوچھا۔

"خود مرجانہ نے بابا۔ ملائبہ بھی جانتی ہے۔" وہ جوش میں بول گئی۔

"بابا! اس سے پہلے کہ لالا آ کے بتائیں۔ ہم لالا کو نہ سرپرائز دے ڈالیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو فاطمہ بی بی نے اسے ٹوک دیا۔

"نہیں بیٹا۔ زیاد خان کو آنے دو اور تسلی سے پوچھ کے بات ہوگی۔ شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ عمر بھر کا معاملہ ہوتا ہے۔" انہوں نے سمجھایا۔

"لائبہ کسی بنیاد پہ بات کر رہی ہے فاطمہ!" عمر خان کا یہ سن کر کے ان کا بیٹا ان کے جان سے پیارے بھائی کے گھر رشتہ جوڑنا چاہ رہا ہے سیروں خون بڑھا تھا۔

"بابا! ابھی بات کر لیں نا لالا سے۔" لائبہ ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کے حق میں نظر آ رہی تھی۔ "میں ابھی فون ملاتی ہوں۔" وہ خوشی کے ان لمحوں کو فوراً حاصل کر لینا چاہتی تھی۔ اس حویلی میں خوشیوں کا قحط تو ہمیشہ سے ہی تھا۔ ان کے بچوں کو ارمان ہی تھا کہ کبھی وہ بھی اپنے اماں، بابا کو ایک ساتھ ہنستے دیکھیں۔ وہ تو بات بھی کئی کئی دنوں بعد اور وہ بھی ضرورتاً کرتے تھے۔

عمر خان کو وقت کے ساتھ ساتھ اس بات کا احساس شدت سے ہو رہا تھا کہ اپنی محبت کے کھو جانے کے صدمے میں انہوں نے جس کو ٹھوکروں میں رکھا تھا، وہ

کوئی عام پتھر نہیں تھا۔ اگر وہ اسے قسمت کا سمجھ کے قبول کر لیتے اور خدا کی رضا میں راضی ہو جاتے تو آج اتنے محروم نہ ہوتے۔ زندگی یوں مسافرانہ نہ ہوتی۔ بلکہ زخموں پہ مرہم لگ ہی جاتا۔

"یہ لیں بابا۔" لائبہ کی آواز پہ جیسے دونوں اپنی اپنی سوچوں کے سمندر سے نکلے۔

فاطمہ بی بی نے انتہائی دکھ سے اس ٹوٹے پھوٹے شخص کو دیکھا۔ جس نے ان کی بھی ساری زندگی رائیگاں کر دی اور خود بھی نامراد رہا۔ "بیٹا جی! اسے اپنی کسی دوست میں انٹرسٹ ہے اور وہ اسی سے شادی کرنا چاہ رہا ہے۔ اب ہم زبردستی تو نہیں کر سکتے نا۔" انہوں نے زیاد سے فون پر بات کرنے کے بعد مردہ سی آواز میں بیٹی کو سمجھایا۔

"مگر مرجانہ۔" لائبہ کی آواز رندھ گئی۔ "بابا! وہ تو لالا سے بہت پیار کرتی ہے۔"

فاطمہ کے دل پہ چوٹ لگی۔ انہیں لگا کہ ایک اور فاطمہ جنم لے رہی ہے۔ عمر خان کے پاس اس درد کا کوئی علاج نہ تھا۔ اس لیے وہ چپ رہے۔

"لائبہ! اسے سمجھانا بچے کہ رشتے جبر کی زنجیر سے بندھ تو جاتے ہیں مگر بنا ہے نہیں جا سکتے۔ اس درد سے خود کو بچانا ہی عقل مندی ہے۔" وہ کڑی دھوپ میں چلی تھیں۔ وہ کیسے پاؤں کے چھالوں کی تکلیف بھول سکتی تھیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ شکووں نے بہت کم ان کے لبوں کی حد توڑی تھی۔

عمر خان نے تڑپ کے انہیں دیکھا۔ ان کی آنکھیں جیسے فاطمہ بی بی پہ جم سی گئیں۔ اس لمحے فاطمہ بی بی کے ساتھ عمر خان بھی لائبہ کی وہاں موجودگی کو بھول گئے۔ لائبہ اپنی ہی تکلیف میں تھی کہ وہ مرجانہ کے بہت قریب تھی۔ غائب دماغی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"خان! کیا آپ نے زیاد خان کی بات مان لی ہے؟"

"کیا مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا فاطمہ۔ کیا میں زیاد کو محروم کر کے ایک دفعہ پھر آپ کا مجرم نہ بن جاتا۔" ان کی زبان اور آنکھیں دونوں سوالیہ تھیں۔

"میں نے کبھی آپ کو اپنا مجرم نہیں گردانا خان! یہ قسمت کے کھیل ہیں۔" وہ نظریں چرا کے بولیں کہ اس شخص سے نظریں ملانا کوئی آسان کام تھا۔

"فاطمہ! مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی۔"

"خان! آپ نے میری ممتا کو آزمائش میں نہ ڈال کر میرے ساتھ میری بڑی نیکی کی ہے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئیں۔ حالانکہ وہ ارادتاً ایسا نہیں کرتی تھیں۔

"کیا مطلب۔ کب کی میں نے تمہارے ساتھ کوئی نیکی۔" وہ متعجب ہوئے۔ دماغ پہ بہت زور دیا۔ مگر حیرت کی بات تھی کہ انہیں ایک بھی نیکی یاد نہ آئی تھی۔ جو انہوں نے فاطمہ بی بی کے ساتھ کی ہو۔

"خان! آپ کو وہ نیکیاں کبھی یاد نہیں آئیں گی کہ وہ آپ سے سرزد ہو گئی تھیں۔ بابا جان کی خواہش پہ میری گود میں اولاد کی خوشی آپ نے ڈالی۔ ثوبانہ کی محبت میں آپ نے مجھے اس راہ پہ چلنے سے روکا، جس کی کوئی منزل نہ تھی۔ میں اس دن بہت مضبوط ہو گئی تھی۔" وہ اپنی کلائی سے آستین اوپر کرتے ہوئے بولیں تو عمر خان نے کلائی پہ جلتے سگریٹ سے لکھے گئے ثوبانہ کے نام کو دیکھ کر اذیت سے آنکھیں موند لیں۔ سارا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا تھا، جب وہ رو رو کے، تڑپ تڑپ کے فریادیں کر رہی تھیں اور عمر خان اپنی محبت کے چھن جانے کے صدمے میں انسانیت تک روند رہے تھے۔

"اور اب زیاد خان کی بدولت ایک اور نیکی میرا مقدر بنی کہ آپ نے میری ممتا کو اذیت سے بچایا ہے۔"

وہ کہہ کے اٹھیں تو عمر خان شکستہ قدموں سے چلتے ہوئے ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔

"فاطمہ! میرے جرم بے حساب ہیں، مجھے تسلیم۔ مگر ان کی کوئی معافی بھی تو ہوگی۔"

"خان! زیادتی آپ کے ساتھ تھی۔ آپ کیسے مجرم

ہو سکتے ہیں۔"

"میں خود کو صرف دو لوگوں کا مجرم سمجھتا ہوں۔ اس کے سامنے مجرم ہوں کہ اس کا بھرم نہیں رکھ پایا اور تمہارے ساتھ کیے گئے جرائم کی تو کوئی حد ہی نہیں ہے۔ اس کو تو صرف محبت نہیں ملی نا۔ تم پہ تو میں نے زندگی تنگ کر دی۔ تمہیں تو میں نے جیتے جی مار ڈالا۔" انہوں نے تسلیم کیا۔

"میری طرح یکطرفہ محبت کرنے والے اپنے لیے گھاٹے کا سامان خود کرتے ہیں' سو میں نے اسے مقدر کا لکھا سمجھ کے قبول کر لیا۔" کہتے ہوئے فاطمہ بی بی کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

"میں نے اگر اس سے محبت کی ہے تو تم سے عشق ہوا ہے' مگر یقین دلانے کے لیے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے جتنا تمہیں تڑپایا ہے اس سے زیادہ خود تڑپا ہوں میں۔" عمر خان کا دل لہو رونے لگا۔

"آپ کا دل جب بھی اس سے بے وفائی کرنے لگتا ہے خان! تو میری محبت بین کرتی ہے۔ میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ آپ کی محبت کی حق دار صرف اور صرف وہ ہے عمر خان!"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے' وہ وہاں سے جا چکی تھیں۔

"میں نے اس سے بہت محبت کی' مگر تم میرے دل میں خود بخود آن بسی ہو فاطمہ بی بی! کیسے یقین دلاؤں تمہیں۔ تمہیں خود سے دور کر کے احساس ہوا کہ مجھے تمہاری ضرورت پہلے سے زیادہ ہے۔ میں کم ظرف تھا۔ تم اعلا ظرفی کا مظاہرہ کر لو۔ معاف کر دو مجھے اور میرے وجود میں گاڑی گئی ساری کیلیں نکال دو کہ اب صرف اور صرف تم ہی یہ کر سکتی ہو۔ اس جادو کا توڑ صرف تمہارے پاس ہے' جو عمر خان کی مردہ روح کو زندہ کر سکتا ہے۔" آج انہوں نے اپنے اندر اعتراف جرم کر لیا۔ مگر اب فیصلے کا حق ان کے پاس نہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

جبار خان کو زیاد کے بارے میں بتاتے ہوئے انہیں شدید افسوس ہو رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ خان لالا کو بھی امید تھی کہ وہ زیاد خان کے لیے مرجانہ کی بات کریں گے۔

"خان لالا! میری خواہش تو کچھ اور تھی مگر۔" ان سے جملہ مکمل نہ ہو سکا۔

"عمر! رشتے تو نصیب سے بنتے ہیں۔ خواہشوں پہ بنتے تو آج تم یوں نامکمل اور فاطمہ بی بی یوں نامراد نہ ہوتیں۔" عمر خان نے خان لالا کے ہاتھ چوم لیے۔

"کاش خان لالا! میں کبھی تو آپ کی محبت کا حق ادا کر پاتا۔"

"عمر! محبتوں کا حق اولاد کے جذبے گروی رکھ کر ادا نہیں کیا جاتا اور دوسری اہم بات کہ میں نے تم پہ کوئی احسان نہیں کیا۔ تم میرے بھائی ہو اور بس۔" انہوں نے بھائی کو احساس شرمندگی سے نکالنا چاہا۔

اسی دوران بھابھی بھی آ گئیں اور چائے کا کپ عمر خان کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ بھابھی!"

"کب جا رہے ہو شہر عمر خان! زیاد خان کا رشتہ لے کے۔" ان کے لہجے میں واضح کاٹ تھی جو عمر خان کے ساتھ ساتھ خود جبار خان نے بھی محسوس کی۔

"بھابھی! مجھے افسوس ہے۔" عمر خان نے سر جھکا کے کہا۔

"کس بات کا افسوس عمر خان۔ بھلا اس سلسلے میں دونوں خاندانوں کے درمیان کوئی بات طے تھی؟" جبار خان نے سختی سے کہا۔ ان کے لہجے کی سختی پہ ارشین جان نے زبان دانتوں تلے دبالی۔

دروازے میں کھڑی مرجانہ کی تو سانس رکنے لگی۔ اس نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے سسکیوں کو بمشکل روکا اور اندھا دھند بھاگی اور سینٹر ٹیبل سے جا ٹکرائی۔ کرسٹل کا بھاری گل دان اس کے سر پر لگا اور وہ ہوش و خرد سے بے گانہ ریحط خان کے بازوؤں میں جھول گئی۔ ریحط خان کی آوازیں حویلی کے در و دیوار سے ٹکرانے لگیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے سب وہاں پہنچ گئے۔ کوئی سمجھ نہیں

پا رہا تھا کہ کیا ہوا تھا۔ ارشین جان تو دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

"گاڑی نکالو کرم داد۔" ریحط اسے بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے پوری قوت سے چیخا۔

سب کے لبوں پہ اس کے لیے دعائیں تھیں۔

فاطمہ بی بی اور لالنی بھی روتے ہوئے وہاں پہنچیں۔

"ریحط خان! کیا ہوا ہے۔ کہاں چوٹ آئی ہے مرجانہ کو۔" فاطمہ بی بی کا ریڈ ور میں بے چینی سے ٹہلتے ریحط سے پوچھا۔

"ریحط! میری بچی۔" ارشین جان نے آنسوؤں کو بے دردی سے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"ماں! اللہ سے دعا کریں۔" وہ بتاتے ہوئے رو پڑا۔ اسے اپنی بہن اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

عمر خان کو لگا کہ آج قدرت نے انہیں ایک اور بے گناہ کا مجرم بنا ڈالا تھا۔ تقریباً تین گھنٹے بعد اسے ڈاکٹر نے ایمرجنسی سے کمرے میں شفٹ کیا۔ اس کا پورا چہرہ پٹیوں میں جکڑا تھا۔

شیشے کے کئی ٹکڑے اس کے چہرے پہ بری طرح لگے تھے۔

عمر خان ہسپتال میں تھے کہ زیاد خان آ گیا وہ کچھ دیر پہلے ہی گاؤں پہنچا تھا۔ وزیرے نے اسے جو بتایا تھا' اس نے اس کی جان نکال دی تھی۔ وہ سیدھا ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔

"ڈاکٹر زیاد۔ مریضہ کا چہرہ بری طرح زخمی ہوا ہے۔ ہم نے بہت احتیاط سے چہرے کی صفائی کی ہے۔ لب پٹی اترے گی تو صحیح صورت حال کا اندازہ ہوگا۔" ڈاکٹر کا بیان کچھ ایسا حوصلہ افزا بھی نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کہ وہ باہر جا کے سب کو کیسے سمجھائے گا مگر ہمت تو کرنی تھی۔

"زیاد خان! ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں۔" وہ باہر آیا تو ریحط بھاگ کے اس تک پہنچا۔

"ریحط! مرجانہ کی حالت تھوڑی اسٹیبل ہو تو اسے شہر کے کسی اچھے ہسپتال شفٹ کرنا پڑے گا۔ چہرے کا معاملہ کافی نازک ہوتا ہے۔ اس میں رسک نہیں لیا جا سکتا۔" اس نے کچھ بھی چھپانا مناسب خیال نہ کیا۔

"زیاد! ابھی لے چلتے ہیں۔"

"ریحط! اسے ہوش آنے دو' پھر دیکھتے ہیں کہ کیا فیصلہ کیا جائے۔" زیاد کہہ کے ارشین جان کے پاس آ گیا۔ کتنی دیر انہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں بھر کے تسلیاں دیتا رہا۔

☆ ☆ ☆

"فیض۔ فیض۔!"

دھیرے دھیرے کوئی اسے پکارے جا رہا تھا۔ گھپ اندھیرا تھا۔ عجیب الخلقت مخلوق۔ کسی کی آنکھیں اتنی بڑی کہ وحشت ہو رہی تھی اور کسی کا تن ہی سر سے غائب تھا۔ طرح طرح کے بھیانک چہرے اس کے گرد دائرہ بنا کے محو رقص تھے۔ ہر کوئی اسے پکار رہا تھا۔

"ادھر آ جاؤ فیض۔ فیض میری جان میری طرف دیکھو۔ میں یہاں ہوں۔ ادھر تو آؤ۔ آ جاؤ فیض۔"

فیض مڑنا تو سمت بدل جاتی۔ وہ دیوانہ وار دوڑنے لگا سانسیں پھولنے لگیں۔ خوف سے آواز بند ہو گئی۔ وہ چیخنا چاہ رہا تھا۔ وہ اپنی مدد کے لیے کسی کو بلانا چاہ رہا تھا لیکن۔ پورا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح شبیر کو ڈھونڈنے لگا۔ وہ فیض کے سامنے آ گیا مگر فیض کا وجود پتھر ہو گیا۔ وہ آگے بڑھنا چاہ رہا تھا مگر ایک قدم اٹھانے کی سکت نہ تھی۔

پیچھے سے آنے والی آوازوں پہ وہ مڑنا نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ جب بھی پیچھے مڑتا تھا وہ پتھر کا ہو جاتا تھا۔

"نہیں۔ نہیں۔ میں نہیں مڑوں گا۔ میں پتھر کا ہو جاؤں گا۔" اس کے گلے میں کانٹے چبھنے لگے۔ وہ چیخنا چاہ رہا تھا اور کوئی طاقت اس کا گلا دبائے جا رہی تھی۔ پھر وہ پوری قوت سے چیخا۔

"فیض۔ فیض۔! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم ٹھیک تو ہو۔"

شبیر کی آواز پہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ خوف زدہ ہو کے اس سے لپٹ گیا۔ اس کا پورا جسم کانپ رہا تھا۔

"فیض! تم ٹھیک تو ہو۔" شبیر نے اسے جھنجھوڑا۔

"ہوں میں ٹھیک ہوں۔" تھوڑا سنبھلنے کے بعد وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

ثوبانہ شاہ بھی ہانپتی کانپتی اس کے کمرے تک پہنچیں۔

"ماما۔۔ماما۔۔" مہربان وجود پہ نظر پڑی تو ان سے لپٹ گیا اور یوں محسوس ہوا کہ جیسے مضبوط پناہوں میں آگیا ہو۔

"کیا ہوا میری جان۔۔ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا تھا۔" وہ اس کی حالت دیکھ کے بری طرح گھبرا گئیں۔

شبیر نے گلاس میں پانی انڈیلا اور زبردستی اس کے منہ سے لگایا۔ فیض کے ہونٹ بالکل سفید پڑ چکے تھے۔ کافی دیر بعد اس کی حالت ذرا سنبھلی تو شبیر نے فیض کا ہاتھ تھام لیا اور مسکرانے لگا۔

"ماما! میرا جی چاہتا ہے کہ کل سے اس راج دلارے کو اپنی گود میں سلایا کروں۔"

"بکومت۔۔۔" ثوبانہ شاہ نے اسے گھورا۔ "بھائی کو ریلیکس ہونے دو۔" وہ مسکرا دیا۔

یہ خواب فیض کے ساتھ جوان ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے اس کی شخصیت میں ایک خلا رہ گیا تھا۔ اسے اپنی ذات ادھوری لگتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ اس کا آدھا حصہ کہیں اور تھا۔ کچھ ایسا ہے، جو خواب بن کے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے لیکن وہ جو کچھ بھی ہے بہت وحشت ناک ہے۔ اسے آنے والے وقت سے ڈر لگتا تھا۔

"اب ٹھیک ہونا فیض۔۔۔" ثوبانہ نے اس کا ہاتھ تھام کے محبت سے پوچھا۔

"جی ماما! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"آئیں ماما! میں آپ کو کمرے میں چھوڑ آؤں۔" شبیر ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولا۔

وہ رات پھر رت جگا لے کے ثوبانہ شاہ کے کمرے میں اتری۔

"فیض میری جان! ماں کے جلے ہوئے خوابوں کی راکھ تیرے وجود میں کیسے مٹی بن کے داخل ہو گئی ہے۔ سنگ تو میرے وجود پہ گرے تھے۔ پتھر تو کیوں ہو جاتا ہے۔ اذیت تو میں نے جھیلی تھی، تیرا وجود کیوں زخمی ہو جاتا ہے۔ چوٹیں تو میرے جسم پہ لگی تھیں، لہولہو تیرا وجود کیوں ہو جاتا ہے۔

کاش! میں سنبھل جاتی۔ ان کا مان نہ توڑتی۔ کاش! میں رک جاتی۔ کاش! مجھے عمر خان سے محبت نہ ہوئی ہوتی۔ اس حقیقت سے نظریں نہ چراتی کہ ماں کی مرضی کے بغیر حاصل ہونے والی محبت کی حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ پل میں ٹوٹ کے بکھر جاتی ہے۔ سارے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان ساری عمر میری طرح سفر میں رہتا ہے۔"

کم از کم ثوبانہ شاہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا۔ مگر کبھی کبھی احساس ہوتا کہ وہ بھی تو بہت بے درد ہو گئیں تھیں۔ کس بری طرح ڈیڈی کا مان توڑا تھا۔ ان کے انکار کے بعد کس دھڑلے سے کورٹ میرج کرلی تھی۔

ان کی بہن نے اپنے آٹھ ماہ کے بلکتے ہوئے بیٹے کو سنبھالتے ہوئے انہیں سمجھایا تھا۔

"ثوبانہ! رشتے ایسے نہیں بنتے کہ دو بندے کاغذ کے بے جان ٹکڑوں پہ دستخط کر آئیں۔ اس کے لیے دلوں کی رضامندی چاہیے ہوتی ہے۔"

"آپی! دل تو ہم دونوں کے راضی ہیں تو پھر ڈیڈی کیوں نہیں مان جاتے۔ کم از کم اب تو اسے تسلیم کرلیں۔ اب تو رشتہ بھی بندھ چکا ہے۔ ہم دونوں نے شادی کرلی ہے۔" وہ زچ ہوتے ہوئے بولی۔ کتنا غرور تھا اس وقت ان کے لہجے میں۔

"ڈیڈی کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ ان کی اس شہر میں برسوں سے بنائی ہوئی عزت ہے۔ تم اس سے طلاق لے لو۔ خدا کے لیے۔۔۔" آپی نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"ڈیڈی! طلاق کے بجائے مجھے اس کے سنگ رخصت کیوں نہیں کردیتے۔ عزت ہی بچانی ہے تو!" وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھیں۔

"ماں باپ کو بھی تو اولاد کی خوشیوں کی پروا کرنی چاہیے۔ کیا اولاد کو اپنی خوشی اور اپنی مرضی کی زندگی گزارنے کا کوئی اختیار نہیں۔"

"اور ان کا اولاد پہ کوئی حق نہیں جنہوں نے اسے پالا پوسا، جوان کیا، پڑھایا لکھایا۔" لائبہ واحدی کے لبوں پہ سلگتی ہوئی مسکراہٹ ابھری۔

"تو کیا ان ساری قربانیوں کا خراج اولاد کے دل کی خوشیاں ہیں۔"

"نہیں تمہاری خوشیوں سے کوئی بیر نہیں ثوبانہ۔ وہ صرف تمہیں ڈوبنے سے بچانا چاہتے ہیں مگر تم نے بہت جلدی فیصلہ کرلیا۔"

"آپی! عمر خان سچا ہے، اس لیے اس نے مجھ سے نکاح کیا ہے۔ عیاش لوگ نکاح کے بندھن نہیں باندھا کرتے۔ مقدس رشتے نہیں جوڑا کرتے۔" وہ طنزاً گویا ہوئی۔

"رشتے تو بندھ ہی جاتے ہیں ثوبانہ۔۔۔ دعا کروں گی کہ وہ اس رشتے کا بھرم بھی رکھے۔"

"وہ ایسا کرے گا آپی!" ثوبانہ کو اندھا اعتماد تھا۔

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ تمہارا بھرم کبھی نہ ٹوٹے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ تم نے ایک رشتے کے بدلے بہت سے رشتے کھو دیے ثوبانہ!" لائبہ واحدی نے ہلکی آواز میں کہا۔

"آپی! جن رشتوں کے کھونے کی بات آپ کررہی ہیں، وہ کچے دھاگے سے نہیں بندھے۔ ڈیڈی اپنے نام کو میری ولدیت کے خانے سے کبھی نہیں نکال سکتے۔ روز قیامت مجھے میری ماں کے نام سے ہی پکارا جائے گا۔ آپ لوگوں سے میرا رشتہ تو ہمیشہ رہے گا۔ البتہ اپنی محبت کھو دیتی تو تمام عمر ڈھونڈتی رہتی۔" ان کے لہجے سے کسی کی محبت کا نشہ جھلک رہا تھا۔

"ثوبانہ! محبت تو تم نے پالی مگر ماں کی ممتا اور باپ کی شفقت ہمیشہ کے لیے کھو دی۔ جاؤ اور اپنی فتح کا جشن مناؤ۔ اپنے آپ کو اپنی ہی دعاؤں میں رخصت کرنا۔ اپنے سر پہ قرآن کی چھاؤں ضرور کرنا کہ اس کی ضرورت ہر لحظہ پڑتی ہے۔ ابھی اپنی خوشیوں نے شاید تمہیں سب کچھ بھلا رکھا ہے۔" لائبہ کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔

"آپی! آپ ڈیڈی کو سمجھائیں ناوہ کل آئے گا۔ اب وہ میرا شوہر ہے۔ اسے تسلیم کرلیں۔" انہوں نے آخری کوشش کرنا چاہی مگر شدید ناکامی ہوئی۔ عثمان شاہ طیش میں آگئے اور اسی وقت اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ گڑگڑائیں، روئی تڑپیں لیکن کوئی کچھ نہ کرسکا۔ وہ گھر سے یوں نکل گئیں جیسے آنکھ کا آنسو۔

☼ ☼ ☼

"کہاں ہو تم زیاد۔۔۔ دو دن سے تمہیں ٹرائی کررہی ہوں۔ خیریت تو ہے۔" ساریہ نے جیسے ہی محسوس کیا کہ دوسری طرف فون اٹھا لیا گیا ہے تو بنا رکے بولی۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے ساریہ!"

"یا اللہ خیر۔۔ زیاد کوئی بری خبر نہ سنانا۔" وہ گھبرا گئی۔

"ساریہ۔۔۔" وہ رکا تو جیسے ساریہ کی سانسیں رکنے لگی تھیں۔ "ساریہ! میری کزن مرجانہ بہت بری طرح زخمی ہو گئی ہے۔" نجانے وہ اس کے ظاہری زخموں کی بات کررہا تھا کہ یا وہ جو دل پہ کھا بیٹھی تھی۔

"کیسے زیاد۔۔۔ کیسے زخمی ہو گئی ہے۔" ساریہ جانتی تھی کہ زیاد کو مرجانہ بالکل اپنی بہن لالئی کی طرح عزیز تھی۔

"شیشے کی ٹیبل سے ٹکرا کر زخم کھا بیٹھی ہے۔ اس کے چہرے پہ بہت بری طرح زخم آئے ہیں۔ سب پریشان ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ سو سیڈ۔۔۔"

"ساریہ! میں اس وقت ہسپتال میں ہوں۔ تم سے بعد میں بات کروں گا۔" زیاد نے کہہ کے فوراً لائن کاٹ دی۔ اس وقت وہ خود سے بھی بھاگ رہا تھا۔

آج لالئی نے کیا انکشاف کر ڈالا تھا کہ زیاد خان کا پورا وجود سلگ اٹھا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مرجانہ اسے چاہنے لگی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ اپنا سر دیوار سے دے مارے۔ بابا نے بھی اسے حیران کر ڈالا کہ وہ خان لالا سے اس کے اور ساریہ کے رشتے کی بات کرنے گئے تھے کہ یہ سب ہو گیا۔ گویا کہ بابا کو اس کی پسند پہ کوئی اعتراض نہ تھا لیکن مرجانہ۔۔۔ خدایا!

یہ کیا پاگل پن ہے۔ وہ بے وقوف لڑکی ایسا کیسے سوچ سکتی ہے۔ میں نے اسے کبھی اس انداز سے نہیں دیکھا۔ نہ ہی اسے کوئی محبت بھری امید دلائی۔"

ان حالات میں وہ ساریہ سے بھی کھل کے کوئی بات نہ کرسکا۔ جب تک اس کی بابا سے کوئی حتمی بات نہ ہوجاتی' وہ اس سے کیا کہتا۔ دل کے اندر یہ احساس بھی بہت اطمینان بخش تھا کہ بابا کو اس پہ کوئی اعتراض نہیں تھا مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بابا جان کا خان لالا سے بہت گہرا قلبی رشتہ تھا۔ وہ دونوں یک جان دو قالب تھے۔ اس لمحے ان کا درد کسی طرح بھی خان لالا اور ان کے خاندان سے کم نہ تھا۔ خود اسے بھی عجیب پشیمانی نے گھیر رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ بابا زندگی کے جن تلخ تجربوں سے گزرے ہیں اس کے بعد وہ کبھی زیاد خان کو مجبور نہیں کریں گے۔

"کسی کی خوشیاں کسی کی زندگی بھر کا روگ بن جاتی ہیں۔ اے خدا محبت خود بخود کیوں دلوں میں بسیرا کرلیتی ہے اور اگر ساریہ کے دل میں میری محبت کا بیج بویا تھا تو پھر مرجانہ کو یہ درد کیوں دے دیا۔"

ہسپتال آنے کا حوصلہ تو نہیں تھا مگر یہ اس کی ڈیوٹی بھی تھی اور فرار کا کوئی راستہ تھا بھی نہیں۔ سوائے ربیط خان کے اس نے سب کو زبردستی گھر بھیج دیا۔

"ربیط... تم بھی آرام کرلیتے... میں ہوں نا یہاں۔"

"زیاد! وہ ٹھیک تو ہوجائے گی نا۔ ڈاکٹر اس کے چہرے کے زخموں کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ اس کا چہرہ ٹھیک تو ہوجائے گا نا۔" وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔

"ربیط! ڈریسنگ کھلے گی تو سب کلیئر ہوگا۔ تم اللہ سے دعا کرو۔ وہ سب بہتر کرے گا۔" وہ اسے حوصلہ دے کے اس کے روم کی طرف آگیا۔ سوائے آنکھوں کے پورا چہرہ سفید پٹیوں میں جکڑا تھا۔ غیر متوقع طور پہ وہ اس وقت ہوش میں تھی۔

"مرجانہ... کیسی ہو..." ہمت کرکے اس کے قریب آیا اور تھوڑا اس پہ جھک کے پوچھا۔ وہ خاموش رہی۔

وہ تو زیاد خان کو چھوٹی سی نازک سی گڑیا لگتی تھی جسے دیکھ... کر بے ساختہ پیار آتا تھا۔ سرخ و سفید رنگت پہ نیلی نیلی آنکھیں گھماتی پیاری سی باربی ڈول... اسے بالکل لالئی اور ملالئی کی طرح عزیز تھی مگر اسے اندازہ ہی نہ ہوسکا کہ وہ بے جان گڑیا نہیں بلکہ جیتی جاگتی لڑکی تھی۔

"مجھے کیا ہوا ہے۔ میرا چہرہ۔" اس نے جونہی ہاتھ چہرے کی طرف لے جانے چاہے' زیاد اس کا ارادہ بھانپ گیا۔ فوراً" اس کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"ارے تمہیں ڈرپ لگی ہے' ہاتھ مت ہلاؤ۔"

"مجھے کیا ہوگیا ہے۔" وہ تڑپ تڑپ کے رودی۔

"میری طرف دیکھو مرجانہ...!" زیاد خان نے اسے ہاتھوں سے پکڑ کے اپنی طرف مڑنے کے لیے کہا تو ایک لمحے کے لیے وہ اس سے نظریں ملا پائی اور ساون کی جھڑی آنکھوں کو جھل تھل کرگئی۔

"تم بالکل ٹھیک ہوجاؤ گی۔ صرف چند دنوں کی بات ہے۔" اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

"مرجانہ... ناراض ہو مجھ سے..." زیاد چاہتا تھا کہ اس کے اندر سے اس غبار کو ہلکا کرے' جو اس کے دل پہ بوجھ بنا ہوا تھا۔

"ادھر دیکھو... میری طرف..." اس نے پھر پکارا مگر اس کا چہرہ بدستور دوسری طرف ہی رہا۔

"مرجانہ! یقین جانو' میں نے ہمیشہ تمہیں لالئی اور ملالئی کی طرح سمجھا ہے۔ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ میں بھلا آپ سے کیوں ناراض ہوں گی۔" کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔

"دیکھو مرجانہ! زندگی میں ہر چیز حسب خواہش نہیں ملتی۔ جو نصیب میں نہ ہو' اسے چھینا نہیں جاسکتا۔"

میں نے ایسا کیا مانگ لیا تھا کہ میری دعا رائیگاں ہوگئی۔ نامراد لوٹ آئی۔ کیا ہوجاتا اگر آپ مجھے مل جاتے۔" اسے بولتے ہوئے تکلیف ہو رہی تھی۔

"کیا پتا کسی اور نے مجھے تم سے زیادہ شدت سے چاہا ہو۔" زیاد نے دھیمے لہجے میں کہا۔ تو وہ افسردگی سے مسکرادی۔

"کوئی آپ کو مجھ سے زیادہ نہیں چاہ سکتا۔ ساری میں اس لیے ہوں کہ اس کی دعاؤں کے پیچھے آپ کے ہاتھ تھے۔" زیاد خان کو اس کے انداز گفتگو پہ حیرت ہوئی کہ وہ اتنی گہری باتیں بھی کرسکتی تھی۔

"مرجانہ! میں نے تمہیں حقیقتاً" لالئی کی طرح سمجھا ہے۔ اب تم لاکھ کچھ اور سوچو مگر میرے دل نے تم سے جو رشتہ باندھا ہے' اس کے تقدس میں کوئی فرق نہیں آنے دوں گا۔"

مرجانہ نے اذیت سے چہرہ دوسری طرف موڑلیا۔ اتنے میں ڈاکٹر صاحب آگئے اور اسے سکون کا انجکشن دے دیا جو اس کے لیے بہت ضروری تھا۔

ساریہ نے اسے دوبارہ فون کرکے بابا سے بات کرنے کا کہا مگر اس کے بات کرنے سے پہلے ہی بابا نے اس سے خود ہی بات کرلی اور اسے اپنی رضامندی دے دی۔

"بابا! میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔" بادامی شلوار قمیص میں اپنی بلند قدو قامت سے بے نیاز وہ ننھے بچے کی طرح عمر خان کی گود میں سر رکھ کر بولا۔

عمر خان نے پدرانہ شفقت سے بھرا ہاتھ اس کے سلیقے سے سجے گھنے بالوں پہ پھیرا۔

"چلو شکر ہے' کسی کو تو مجھ سے سکھ ملا۔" وہ ہلکے سے ہنس کے بولے۔

"بابا! آپ کا وجود تو ہمارے لیے سرتاپا ٹھنڈا سایہ ہے۔ خود تمام عمر آپ تپتی دھوپ میں جھلتے رہے مگر ہمیں دھوپ کی شدت سے بچائے رکھا۔ کاش! میں آپ کے لیے کچھ کرسکتا۔" زیاد خان ان کے دکھوں سے ناآشنا تو نہیں تھا۔

"زیاد! تم نے اپنی ماں سے بات کی؟"

"ابھی تو آپ سے ہی بات ہوئی ہے۔" وہ سر جھکا کے بولا تو عمر خان نے اس لمحے ہاتھ اٹھا کے اس کی خوشیوں کے لیے ڈھیروں دعائیں کرڈالیں۔

"شکر ہے پاک پروردگار! تو نے میرے بیٹے کو کسی آزمائش میں نہیں ڈالا۔ میں اس دکھ کی اذیت سہہ چکا ہوں اس لیے اس تکلیف سے واقف ہوں۔ اے اللہ! تو اس معصوم کے دل پہ بھی مرہم رکھ دے' جو اس وقت دم دینے کی اذیت سے گزر رہی ہے۔"

انہوں نے ہاتھ اٹھائے تو مرجانہ کا معصوم چہرہ نظروں کے سامنے آگیا۔ وہ بھی تو ان کی اولاد تھی۔ اس کی تکلیف بھی تو انہیں اپنے دل پہ محسوس ہو رہی تھی مگر وہ مجبور تھے۔

☆ ☆ ☆

"یار! قسم سے لائف کا گولڈن پیریڈ یونیورسٹی کے یہ کچھ سال ہوتے ہیں۔ کیا شان ہوتی ہے بندے کی۔ ٹور ہی بدل جاتی ہے۔"

عثمان نے سامنے گزرتی چند لڑکیوں پہ نظر جماتے ہوئے کہا تو سمیع اللہ نے اس کی بات کی تائید کردی۔ فیض نے گھورتے ہوئے انہیں دیکھا جن کے خیالات کے حق میں شبیر بھی سر ہلا رہا تھا۔

"کچھ تو شرم کرو۔ بکواس کرنا تم لوگوں نے اپنی ہابی ہی بنالی ہے۔"

"یار! کم از کم اس عمر کو تو انجوائے کرنے دو۔ آگے کون سی زندگی پھولوں کے ہار لیے کھڑی ہے۔ پھر ہم ہوں گے اور یہ زندگی کے مشکل مرحلے۔ کبھی رودیں گے اور کبھی ہنس پڑیں گے..."

"بھائیوں! اس کے اندر تو کسی بوڑھے سادھو کی روح سرایت کرگئی ہے۔ اسے نہ تو گلاب جیسے مہکتے وجود اپنی طرف متوجہ کرسکتے ہیں اور نہ بہار کے رنگوں سے اسے کوئی مطلب ہے۔ بلکہ خوب صورت لوگوں سے تو اسے الرجی ہے۔" شبیر نے دکھی انداز اپناتے ہوئے کہا۔

"یہ تو واقعی کافی پریشان کن معاملہ ہے۔" عثمان نے کہہ کے سب کی جانب دیکھا۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اس کے بجائے تم

میں سے کوئی میرا بھائی ہوتا تو دنیا دیکھتی کہ ہم کس بلندی تک جاتے۔" شبیر پہ فیض کا زوردار ہاتھ پڑا۔ وہ بلبلا کے رہ گیا۔

"تم لوگ کیفے پہنچو' میں ذرا لائبریری سے ہو کے ابھی آیا۔" فیض نے کہا تو ان سب کا منہ بن گیا۔

"ہمیشہ اس کی عادت ہے جب کبھی ریلیکس ہونے کا موڈ بنتا ہے یہ کہیں نہ کہیں جانے کا شوشا چھوڑ دیتا ہے۔" شبیر نے غصے سے کہا۔

فیض اس کی بات سنے بغیر آگے بڑھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا اس لیے لائبریری کی طرف بڑھ گیا اس کا ارادہ تھا کہ وہ کتاب ایشو کروا کے واپس آجائے گا۔ مگر کچھ عجیب صورت حال سے دوچار ہو گیا۔ ابھی وہ راہداری میں داخل ہی ہوا تھا کہ اس کی طبیعت بگڑنے لگی۔ دل جیسے بیٹھا چلا جا رہا تھا۔ ہلکے ہلکے پسینے آنے لگے۔

"ایکسوزمی فیض!" سو فیصد وہی آواز تھی۔ فیض کو وہم سا لگا مگر اس دوران دوبارہ اسی آواز نے اس کا نام پکارا۔ جونہی فیض مڑا پتھر کا ہو گیا۔

"کبھی ایسا ہوا ہے کہ خواب حقیقت بن جائیں؟" سوچنے کے قابل ہوا تو پہلا سوال خود سے کیا۔

"ہاں.... ہاں ہو جاتا ہے ایسا.... کم از کم میرے ساتھ تو ہو گیا ہے۔" کوئی اس کے اندر چیخا۔

خوف سے فیض نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پہ رکھ لیے۔

شمائلہ اور عائلہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور اس کی نازک مزاجی پہ حیران ہوئیں۔

"ارے فیض! کیا ہوا۔" اردگرد کھڑے کئی یونیورسٹی فیلوز ایک ساتھ اس کی طرف بڑھے۔

رش لگتے دیکھ کر وہ دونوں وہاں سے نکل گئیں۔

اس کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا تھا۔ شدید خوف سے جیسے اس کی آواز ہی بند ہو گئی تھی۔ وہ کچھ بولنا چاہ رہا تھا مگر آواز بالکل بند ہو چکی تھی۔

"فیض! تم ٹھیک تو ہو۔"

"کیا ہوا ہے تمہیں...."

"لو یہ پانی پیو۔" کسی نے کہا۔

فیض نے پانی پیا تو تھوڑی حالت سنبھلی۔

"کیا ہوا ہے....؟" نجانے شبیر کو کیفے میں کس نے اس کی طبیعت کی خرابی کا بتا دیا تھا۔ باقی گروپ بھی ان کے ساتھ تھا۔

"فیض.... کیا ہوا ہے تمہیں۔" اس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"ٹھیک ہوں میں۔" اس نے بمشکل جواب دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر جواب نہ ملا تو شبیر کی حالت اس سے زیادہ خراب ہو جائے گی۔

"ہٹو.... شبیر.... فیض یہ جوس پیو۔" عثمان جلدی سے جوس لے آیا۔ وہ کافی حد تک سنبھل چکا تھا۔

"چلو.... اٹھو۔" سمیع اللہ نے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے خود اٹھنا چاہا مگر سر بری طرح چکرانے لگا۔ وہ بمشکل گاڑی تک آیا۔

"عثمان! کیوں نہ ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لیں۔" شبیر نے کچھ دیر بعد کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہاں ایک اچھے ڈاکٹر کو میں جانتا ہوں بڑے بھائی کے کلاس فیلو تھے۔ میں ابھی بات کر لیتا ہوں۔" امجد نے جھٹ خدمات پیش کیں۔

گھر آ کے فیض خود پہ قابو پا چکا تھا۔ ان سب نے مل کر ثوبانہ شاہ سے فرمائشی کھانا پکوایا۔ شام کو سب گئے تو شبیر کے پژمردہ سے انداز کو ثوبانہ شاہ نے بھی محسوس کیا کہ اس کے اندر ہمیشہ والی زندہ دلی نہیں تھی۔

رات شبیر ثوبانہ شاہ کو ٹیبلٹس دینے آیا تو انہوں نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

"میرا خیال ہے اب میں اپنے شہزادے کے لیے ایک پیاری سی دلہن لے آؤں۔ جو میرے بیٹے کا خیال رکھا کرے۔" ثوبانہ شاہ نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"اور اگر اس نے الٹا آپ کے شہزادے کو تنگ کرنا شروع کر دیا تو...." وہ ماں کی خاطر نارمل ہونے لگا۔

"اللہ نہ کرے۔ میں تو بہت چن کے چاند سی بہو لاؤں گی۔"

"ماما! میں نے کبھی خوب صورتی کو معیار نہیں جانا۔ لڑکی جب بھی دیکھیں بس یہ دیکھیے گا کہ وہ ہو گھریلو سی ہو۔ کھانے اچھے بنائے اور رشتے نبھا سکے۔ شکل و صورت تو خدا کی دین ہوتی ہے۔" وہ شاید زندگی میں پہلی دفعہ اتنا سنجیدہ ہوا تھا۔

دروازے میں کھڑے فیض کو اس کے سوچنے کے انداز پہ حیرت ہوئی۔ وہ تو اسے بہت زیادہ لاپروا سا ہر خوب صورت چہرے پہ فدا ہو جانے والا لگتا تھا۔

"ارے میرا بیٹا اتنا سمجھ دار ہے.... ہے نا فیض!" ثوبانہ شاہ نے دروازے پہ کھڑے فیض کو بھی شامل کیا۔

"ماما! اس کے لیے کوئی لڑکی جھٹ سے دیکھنی شروع کریں۔ گھر میں ان دونوں کا شور شرابا ہو اور ہم دونوں ان کے جھگڑوں کو خوب انجوائے کریں۔" فیض نے کہا تو جھٹ بولا۔

"اللہ نہ کرے کہ ہمارے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا ہو۔ میں تو اسے بہت پیار اور احترام دوں گا۔ میں تو بہت پرسکون سے گھر کی خواہش رکھتا ہوں اور پھر میں بہت سنجیدگی سے اپنے گھر پہ توجہ دوں گا۔" وہ آنکھیں موندتے ہوئے ایک جذب سے بولا۔

"ان شاء اللہ میں اپنے بیٹے کے لیے ایسی ہی دلہن لاؤں گی جو میرے شبیر کا دل اور گھر دونوں آباد کرے۔" ثوبانہ شاہ کو اپنے بیٹے کی اتنی اچھی سوچ پہ مسرت ہوئی اور اس کے لیے ڈھیروں دعائیں کر ڈالیں۔

"ماما! اب آپ سو جائیں.... کافی دیر ہو گئی ہے۔" شبیر نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

شب بخیر کہہ کے دونوں اپنے کمرے میں آئے تو شبیر اس کی طرف مڑا۔

"کیا ہوا تھا جب تم لائبریری گئے تھے۔"

"شبیر! میں وہاں اپنے خواب کی تعبیر سے ٹکرا گیا تھا۔ مگر وہی چہرہ خواب میں تو بہت ہی ڈراؤنا ہوتا ہے لیکن وہ تو...." وہ کہتے ہوئے رک گیا۔

"کون سا چہرہ....؟" شبیر فوراً اٹھ بیٹھا۔

"جو بچپن سے میرے خواب میں آتی ہے مگر وہ تو بہت پیاری سی ایک لڑکی ہے۔" فیض کی نظروں کے سامنے شمائلہ کا چہرہ گھوم گیا۔

"کون تھی وہ....!" شبیر نے پھر پوچھا۔

"شبیر! وہ وہی تھی.... میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ وہی تھی جو میرے خواب میں آتی ہے مگر وہاں وہ بدصورت اور خوفناک چہرے والی مخلوق لگتی ہے۔ میں اس سے وہاں راہداری میں ٹکرا گیا تھا۔"

"اوہ تو یہ کارنامہ انجام دیا ہے محترم نے۔ شرم تو نہیں آتی ایک لڑکی سے ٹکرا کے یہ حال ہوا ہے محترم کا۔" شبیر ہنس پڑا۔

"نہیں شبیر! میں الجھ گیا ہوں.... میں جب خواب میں اس کے پکارنے پہ پلٹتا ہوں تو پتھر کا ہو جاتا ہوں۔ خیر پتھر تو میں آج بھی ہو گیا تھا۔" اسے شبیر سے کچھ بھی چھپانے کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔

"تو اس کے پاؤں بھی تو دیکھتا۔ کوئی چھلاوہ پیری تو نہیں تھی۔" شبیر نے بات مذاق میں کی مگر جواب بہت سنجیدگی سے آیا اور شبیر سن کے پریشان بھی ہو گیا۔

"شبیر! خواب میں وہ جو بھی لگتی تھی مگر آج اسے جب یونیورسٹی میں دیکھا تو یقین کرو وہ بہت ہی اچھی لگی مجھے اور سچی بات ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ مجھے پہلی ہی نظر میں اس سے پیار ہو گیا ہے۔ مجھے شدت سے کل دوبارہ اسے دیکھنے اور ملنے کا دل کر رہا ہے۔" اس نے صاف دل کی بات کہہ دی۔ وہ ہلکا سا ہنس کے اپنے بیڈ پہ آ کے لیٹ گیا۔

شبیر کے کانوں میں کسی کا کہا ہوا جملہ گونجنے لگا۔

"کبھی کبھی خواب ماضی اور مستقبل کے درمیان زنجیر ہوتے ہیں۔ انہیں اگنور نہیں کرنا چاہیے۔ یہ آنے والے وقت کا اشارہ دیتے ہیں۔" وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

"سو گئے شبیر...." اس کے بعد فیض نے دو تین آوازیں دیں مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا کہ جیسے سو گیا ہو۔ وہ ساری رات نہ سو پایا۔ اس نے وہ رات جاگتے ہوئے گزاری۔ صبح سر درد سے بوجھل ہو رہا تھا۔

فیض کو چھٹی کرنے کا کہا تو اس نے صاف انکار کر

دیا۔ شبیر اس کے انکار پر تپ گیا۔ شبیر کے ساتھ ساتھ ثوبانہ شاہ کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا وہ تو اس کے بغیر کبھی اسکول کالج یا یونیورسٹی نہیں گیا تھا۔

شبیر فوراً" اٹھ کھڑا ہوا کہ اسے فیض کو اس سے بچانا تھا۔ یہ جو سب اتنا اچانک ہو رہا تھا' وہ شبیر کو ڈرا رہا تھا۔

لیکن برا تو فیض کے ساتھ ہوا جو شبیر کو اسے دکھانے کے لیے ایک ایک ڈپارٹمنٹ گھما رہا تھا مگر نہ وہ نظر آئی اور نہ کوئی پتا ملا۔

"مجھے یقین ہو گیا ہے وہ کوئی اور مخلوق تھی۔" شبیر نے کہا تو وہ چپ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

زیاد کے بابا جان اس رشتے پر راضی ہیں۔ مرجانہ ٹھیک ہو جائے تو وہ باقاعدہ ان کے گھر رشتہ لے کر آئیں گے۔

گھر میں سب نے یہ خبر خوشی سے سنی۔ ڈیڈی کو اس کی پسند پہ قطعاً" کوئی اعتراض نہ تھا۔ اسی شام فیض اور شبیر بھی ثوبانہ شاہ کے ساتھ آ گئے اور اس کی تو شامت آ گئی۔ عبید بھائی اور راحیلہ بھابھی کے شرارت بھرے جملے اور فیض اور شبیر کے حملے وہ تو جیسے رو دینے والی ہو رہی تھی۔ بالآخر ثوبانہ شاہ کو ہی اس کی مدد کرنی پڑی۔

"بس بھئی..... خبردار! اب کسی نے میری بچی کو تنگ کیا تو....."

"ارے ارے..... بچی تو دیکھو..... ساڑھے چھ فٹ کے پٹھان کو قابو کر لیا ہے اور ابھی بچی ہی ہے۔" شبیر کی بات پہ ثوبانہ شاہ کا دل ایک دم بدلا۔

وہ تو صرف اس حد تک واقف تھیں کہ زیاد' ساریہ کی طرح ڈاکٹر ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ اب لڑکے والے رشتہ لانا چاہ رہے ہیں اور بس..... لڑکا کون تھا..... کہاں کا تھا۔ انہیں ابھی کچھ علم نہ تھا۔

لیکن پانچ دن کے بعد جب زیاد خان' ساریہ کے گھر کے گیٹ سے داخل ہو رہا تھا تو ثوبانہ شاہ چکرا کے رہ گئیں۔ اس کے ساتھ داخل ہونے والے شخص کو وہ اگر بھولنا بھی چاہتیں تو بھلا کیسے بھولتیں۔ وہ ان کا مجازی خدا تھا۔ وہ عمر خان تھے' جن کے ساتھ ایک کاغذی رشتہ وہ آج تک نبھا رہی تھیں۔ وہ رشتہ انہوں نے سب کچھ ہار کے باندھا تھا۔

"ثوبانہ! آؤ ڈرائنگ روم میں..... مہمان آ گئے ہیں۔" لائبہ واحدی کی آواز پہ وہ چونکیں۔

"ہوں..... ہاں..... کون کون آیا ہے۔" اس نے غائب دماغی سے پوچھا۔

"زیاد اور اس کے بابا ہیں۔ اور دیکھا ان باپ بیٹے کو ابھی تک نہیں پہنچے۔" لائبہ واحدی نے پریشانی سے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپی! میرا ملنا کیا ضروری ہے جب اس کی ماما وغیرہ آئیں گی' تب مل لوں گی۔" اس نے حواس بحال کرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں بھئی..... زیاد سے بھی تو مل لو..... اور میں ذرا کچن دیکھ لوں۔"

"اچھا آپ چلیں میں آتی ہوں۔"

"خدایا! میری عزت رکھ لے کہ میں بہت گنہگار ہوں اور اس بچی ساریہ کی خوشیوں کی حفاظت بھی کرنا۔" وہ جھولی پھیلا کے اوپر دیکھنے لگیں۔

"تم ایک دفعہ پھر شکار کھیلنے جنگل کے بجائے شہر کی طرف آ نکلے ہو عمر خان! اب ایک معصوم کو تم لوگوں کی ظاہری خوب صورتی آکٹوپس کی مانند قابو کر لے گی اور پھر اسے کسی رسم کی بھینٹ چڑھا لینا یوں کہ زندگی اس پہ شجر ممنوعہ ہو جائے۔ ایک اور معصوم دل شکار بنے گا لیکن اس بار میں تمہیں اتنی آسانی سے اپنی بچی کا شکار نہیں کھیلنے دوں گی۔"

ذہنی تناؤ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ اور پھر نجانے کیا ہوا۔ جب ہوش آیا تو وہ ہسپتال کے بیڈ پہ تھیں۔

☼ ☼ ☼

"اماں! آپ بابا سے فون کر کے پوچھتیں تو سہی کہ وہاں کیا بات ہوئی۔ بابا کی ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے اور ان لوگوں نے کیا کہا۔"

لائبہ نے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ رشتے جبراً" نہیں کیے جاتے۔ اب وہ چاہتی تھی کہ اس کے جان سے پیارے لالا کو اس کی خوشی مل جائے اور اس کے ساتھ اماں اور بابا بھی ایک دوسرے کے قریب آ جائیں۔

"لائبہ! بچے تم خود ہی پوچھ لو نا۔" انہوں نے الجھتے ہوئے کہا مگر آج وہ ضد پکڑ گئی۔

"اماں! اچھا لگے گا میرا بابا سے پوچھنا۔ یہ تو بڑوں کے معاملات ہیں۔" ساتھ ہی اس نے عمر خان کا نمبر ملا کے فاطمہ بی بی کی طرف بڑھا دیا جسے مجبوراً" انہیں تھامنا پڑا۔

"ہیلو....." عمر خان کی آواز ماؤتھ پیس میں گونجی۔

"ہیلو..... خان! میں..... کیسے ہیں آپ۔"

لائبہ چپکے سے اٹھ کے باہر نکل گئی۔

"کیسی ہو فاطمہ.....!" عمر خان کو یقین نہ آیا کہ وہ انہیں فون کریں گی۔

"شکر ہے اللہ کا..... وہاں تو سب ٹھیک ہے نا....."

"بالکل ٹھیک ہیں..... سب لوگ بہت اچھے ہیں..... ہمیں اپنے بیٹے کی پسند دل سے پسند آئی ہے۔" وہ بہت خوش تھے۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے..... تو پھر بات کی آپ نے۔"

"بات تو آپ ہی کریں گی آ کے..... ہم نے تو مل لیا..... اور او کے کی رپورٹ ہے اور اس وقت بات کرنے کی پوزیشن بھی نہیں تھی۔ ساریہ کی خالہ کو ہارٹ کا کچھ پرابلم ہو گیا تھا کل ان ہی کے گھر میں..... اس لیے اس پریشانی میں بات کرنا مناسب نہیں لگا۔" انہوں نے تفصیلاً" بتایا۔

اوہ! اب کیسی طبیعت ہے ان کی۔" فاطمہ بی بی نے پوچھا۔

"زیاد خان ہی ملا ہے..... جب آپ آئیں گی تو مل کے دیکھنے چلے جائیں گے۔"

"اچھا چلیں پھر بات ہو گی' میں نے اسی لیے فون کیا تھا۔"

"کاش! یہ فون آپ نے میرے لیے کیا ہوتا۔" ایک آہ سی دل سے نکلی۔

"اگر آپ نہ بھی بتاتیں تو میں جانتا تھا کہ آپ نے یہ فون کس لیے کیا ہے۔ مجھے کبھی یہ خوش فہمی نہیں رہی کہ آپ مجھ سے کوئی رابطہ کریں گی۔" وہ کہے بنا نہ رہ پائے۔

"کک..... کیا مطلب' خان! کیا مجھ سے کوئی غلط بات ہو گئی ہے؟"

"فاطمہ! کیا آپ نہیں جانتیں کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔ ہر وقت' ہر لمحہ اور ہر قدم پہ....." جب انسان کو اس بات کا پتا ہوتا ہے کہ وہ جس سے مخاطب ہے وہ صرف اسے سن سکتا ہے' دیکھ نہیں سکتا تو وہ ہر بات کہہ دینے کا حوصلہ کر لیتا ہے۔ عمر خان نے بھی کچھ ایسا ہی کیا۔

"خان! میں یہ بھی جانتی ہوں کہ وقت کے ساتھ گھر میں رکھی بے جان چیزوں سے بھی انسیت ہو جاتی ہے۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ تلخی سے مسکرائیں۔

"شاید وقت میرے ہاتھوں سے نکل چکا ہے فاطمہ..... لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں بہت تھک چکا ہوں۔" وہ مایوسی سے بولے۔

"خان! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ پریشان لگ رہے ہیں۔" وہ بس اتنا ہی کہہ پائیں۔

"فاطمہ..... میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میری محبت' میری نفرت سے جیت گئی ہے۔"

فاطمہ بی بی نے ریسیور رکھ دیا۔ اس سے پہلے کہ دل اپنی گہرائی میں چھپے راز کو کھول دے۔

فون رکھنے کے بعد وہ عمر خان کے بارے میں سوچنے لگیں۔ وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں کہ اب عمر خان کا لہجہ بہت تھکنے لگا۔ ان سے رشتہ تکلف کے پردوں میں کہیں کھو گیا تھا ورنہ ہر ممکن کوشش کرتیں کہ ان کے کہے ان کہے ہر زخم کا مرہم بن جاتیں۔

"اماں! کیا کہہ رہے تھے بابا۔۔۔" کچھ دیر بعد لالئی کمرے میں آئی اور فاطمہ بی بی کے سامنے بیٹھ گئی۔

"کہہ رہے تھے کہ وہ لوگ اچھے ہیں۔ خان کو پسند آئے ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بتانے لگیں۔

"اماں! آپ کیا سوچ رہی تھیں۔" لالئی نے گہری نظروں سے ماں کے چہرے کا محاصرہ کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ شاید ماں کے چہرے پہ کچھ ڈھونڈنا چاہ رہی تھی لیکن اسے وہاں صرف گہری سوچ ہی نظر آئی۔ سنجیدگی کے گہرے بادل تھے جنہوں نے اس کی ماں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔

"اماں! دیکھیں بابا بالکل بھی روایتی پٹھانوں کی طرح نہیں ہیں۔ اپنی ضد پہ اڑ جانے والے۔" لالئی نے کہا تو فاطمہ بی بی مسکرا دیں۔

"کہتے ہیں کہ مراس لیے گئے کہ سانس نہیں بچی تھی۔ تمہارے بابا بھی اس لیے مختلف ہیں کہ ان کے پاس لڑنے کے لیے ہتھیار نہیں بچے تھے۔"

"اور جس محاذ پہ لڑے اس پہ سوائے زخموں کے کچھ بھی ان کا نصیب نہ بن سکا۔ آپ نے بھی تو انہیں تنہا چھوڑ دیا تھا۔ ان کی تنہائی کا بھی احساس نہ کیا۔" وہ ماں سے شکوہ کر بیٹھی۔

"میں ضرور خان کے رستے ہوئے زخموں پہ مرہم رکھتی اگر میرا اپنا وجود زخموں سے چور چور نہ ہوتا۔ اگر خان کے ہاتھ کچھ نہیں لگا تو میرے دریدہ دامن میں جھانک لو۔ سوائے پریشانیوں، زخموں اور تکلیفوں کے کچھ نہیں پاؤ گی۔" وہ تلخ ہو گئیں کہ وہ باپ کی محبت میں یکطرفہ ہو رہی تھی۔

"آئی ایم سوری اماں۔۔۔ مگر میں کیا کروں۔ میں آپ دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ آپ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔" اس نے ان کے چہرے کا محاصرہ کرتے ہوئے کہا تو وہ نظریں چرا گئیں۔

"تم ذرا مرجانہ کی طرف چکر لگاؤ۔۔۔ میں تھوڑا آرام کروں گی۔" وہ اسے وہاں سے ہٹانا چاہ رہی تھیں۔ اس سے پہلے کہ دل کا حال کھل جاتا۔

وہ مرجانہ کی طرف آئی تو وہ بالکل گم صم بیٹھی تھی۔

"ایسے مت کرو مرجانہ۔۔۔ یہ سب نصیب کے کھیل ہیں۔ اسے تسلیم کر لو۔ ہم لڑکیاں جگنوؤں کو پکڑتے پکڑتے بہت دور نکل جاتی ہیں۔ یہ دیکھے بنا کہ کوئی ہمارے ساتھ بھی ہے کہ نہیں۔" لالئی اس کے اداس چہرے کو ہاتھوں میں تھام کے رو پڑی۔

"لالئی! تم جانتی ہو کہ وہ میرے ساتھ تھا۔ وہ اب بدلا ہے۔ اسے مجھ سے کیسے کوئی چھین سکتا ہے۔ میں نے اسے اپنی ہر دعا میں مانگا ہے۔ کیا میں اتنی گنہگار تھی کہ میرے رب نے میری دعائیں لوٹا دیں۔" وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی اور لالئی اس کے دکھ میں اس کے ساتھ تھی اس بات سے بے خبر کہ دروازے میں کھڑے ریط خان کے دل کے اندر کیا طوفان برپا ہوا تھا۔

ایک قیامت تھی جو ریط خان کے دل پہ مرجانہ کے ایک ایک آنسو سے گر رہی تھی۔

"اگر میری بہن رو رہی ہے زیاد خان! تو مسکراہٹ تمہاری بہن کے ہونٹوں کو بھی نہیں چھوئے گی۔" شاک تو ریط خان کو بھی یہ سن کے لگا تھا کہ زیاد خان کسی اور کو زندگی کا ساتھی بنانے کا سوچ رہا ہے۔

مرجانہ اور لالئی کی باتوں کو اتفاقاً سن کے اسے یہ بھی علم ہو گیا تھا کہ مرجانہ، زیاد خان کو پسند کرتی ہے۔ اب دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ حالانکہ اس کا لالئی سے رشتہ اس کی بے تحاشا محبت کی بنا پہ کچھ ماہ پہلے طے ہوا تھا۔

"اگر زیاد خان کو مجھ سے محبت نہیں تھی تو اس کے ہر ہر انداز میں وہ بے قراریاں کیوں تھیں۔۔۔ دیکھو لالئی! تم گواہ ہو نا کہ زیاد کو مجھ سے محبت تھی۔۔۔ اس کے انداز کیسے ہوتے تھے۔۔۔ کیا کسی کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔۔۔ وہ صرف محبت تھی۔ وہ اب بدل رہا ہے لالئی۔۔۔ اسے بتانا لالئی! میں اس کے بنا مر جاؤں گی۔۔۔ میں اس کے بنا مر جاؤں گی۔۔۔" وہ لالئی سے لگ کر تڑپ تڑپ کے رونے لگی۔

ریط خان کا جیسے کوئی چھری سے دل کاٹ رہا تھا۔

وہ اس وقت صرف ایک ہی لائن پہ سوچ رہا تھا اور جب اپنے خیالوں میں کھوئی کھوئی لالئی واپس جا رہی تھی تو وہ اس کے سامنے آ گیا۔ یوں پہلی دفعہ ہوا تھا کہ وہ دونوں یوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تھے ورنہ تو موبائل پہ ہی بات ہوتی تھی۔

لالئی کا دل شرم سے ضرور دھڑک جاتا اگر ریط خان کی آنکھوں میں محبت کی ہلکی سی بھی رمق ہوتی۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے اس کے سامنے تھا۔

"ریط۔۔۔" اس کی آواز گلے ہی میں گھٹ کے رہ گئی۔۔۔ کچھ ہونے کا احساس ہونے لگا۔

"اب سے پہلے مجھے تم سے محبت تھی لالئی۔۔۔ اب تم میرا انتقام ہو۔ اگر چاہو تو اپنے بھائی کو بھی بتا دینا۔۔۔ کیونکہ مجھے بغیر بتائے جنگ لڑنے کا مزا نہیں آئے گا۔ اسے صرف اتنا بتا دینا کہ زخم لگانا مجھے بھی آتا ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ریط!" لالئی کی تو جیسے سانسیں رکنے لگی تھیں۔ اس کے ہونٹوں سے تو صرف محبت بھرے پھول جھڑتے تھے۔

"میں نے بہت آسان زبان میں بات کی ہے۔ نہ سمجھنے کی تو کوئی بات ہی نہیں۔" وہ سنگ دلی سے بولا۔ اس نے بے بسی سے ہونٹ کاٹ ڈالے۔

ریط خان کی نظروں سے اس کے کٹے ہونٹ سے نکلنے والا خون چھپ نہ سکا مگر وہ پتھر ہو چکا تھا۔

"ریط۔۔۔ مرجانہ اور زیاد لالا کے درمیان محبت یکطرفہ ہے۔" وہ بمشکل کہہ پائی۔

"میرے اور تمہارے درمیان بھی سب کچھ یکطرفہ ہی ہو گا۔۔۔ میں صرف تیر چلاؤں گا اور تم سب تڑپو گے۔" وہ خوں خوار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

وہ اس کی نظروں کے انداز سے تڑپ کے رہ گئی۔

"آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں ریط۔۔۔ چاہا ہے ہم نے ایک دوسرے کو۔۔۔"

"ہماری محبت مرجانہ کے آنسوؤں میں کھو گئی ہے۔ سب خواب مٹی ہو گئے ہیں۔ چکنا چور ہو گئے ہیں۔ اب صرف نفرت ہے۔ محبت ہم نے چھپ کے کی تھی لالئی! مگر نفرت، بہت کھل کے کروں گا میں۔ سب اس آگ میں جلیں جس میں میں اور میری بہن جل رہے ہیں۔"

وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا اور وہ ہارے ہوئے قدموں سے واپس حویلی آ گئی۔ اب پاس بچا ہی کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیوں آ گئے ہو تم دوبارہ میری ٹھہری ہوئی زندگی میں ہلچل مچانے۔ پہلے میں اور اب میری ہی بیٹی پہ تیر پھینکنے آ گئے ہو۔۔۔ عمر مت کھیلو بار بار ہماری زندگیوں سے۔۔۔ بخش دو ہمیں۔"

ہسپتال کے بیڈ پہ ثوبانہ شاہ بے بسی سے رو دیں۔

"دیکھو میں نے اپنی محبت کا بھرم کس شان سے رکھا ہے۔ آپی مجھ سے اس بات پہ کتنا عرصہ ناراض رہیں کہ میں اپنے ساتھ جڑے اس اذیت ناک رشتے کو توڑ کیوں نہیں دیتی۔ لیکن میں ایسا نہیں کر پائی۔ میں آج بھی تمہارے نام سے منسوب ہوں۔ میں آج بھی تمہاری بیوی ہوں۔ کوئی ایسا دیوانہ بھی ہوتا ہے۔ میرا وجود پیاسا کا پیاسا ہی رہا۔ کسی رشتے کی تکمیل نہ ہو پائی۔۔۔ ہر رشتہ ہی ادھورا رہا۔ نہ مکمل بیوی بنی اور نہ ہی ماں بن سکی۔۔۔ میں تمام عمر تمہارے ساتھ رشتہ جوڑ کے بھی بیوہ ہی بنی رہی۔ اب کیوں آئے ہو۔۔۔ زندگی تو گزر گئی۔۔۔ اب موت کو تو آرام سے آنے دیتے۔ یاد رکھنا عمر خان! کہ زخم خوردہ عورت ناگن بن جاتی ہے۔ اب میں زخم کھاؤں گی نہیں۔۔۔ اب میں اتنی آسانی سے اپنا استحصال ہونے نہیں دوں گی۔

لیکن میرے سارے دکھوں سے آشنا۔۔۔ لائبہ آپی۔۔۔ وہ یہ سب کیسے سہہ پائیں گی۔۔۔ نہیں! میں ساریہ کی خاطر سب سہہ لوں گی۔۔۔ میں اس کی آنکھوں کے دیپ بجھا نہیں سکتی۔ میں اب ساریہ کی خاطر اور زخم کھا لوں گی۔" ان کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو بہہ رہے تھے۔

اس شام وہ گھر لوٹ آئیں۔ فیض اور شبیر نے بیڈ

ان کے کمرے میں ہی لگا لیے۔ ثوبانہ شاہ نے لاکھ احتجاج کیا مگر انہوں نے ایک نہ سنی۔

وہ ساری رات ثوبانہ شاہ نے جاگتے کاٹی۔

"میں جب لوٹ آئی تھی تو میرے ہاتھ جڑے ہوئے تھے۔ میرا سر جھکا ہوا تھا تو پھر اتنی سنگدلی کیوں پروردگار..... کیوں میرے دریدہ دامن میں وہ معافی کے چند سکے نہ ڈال سکے..... میں ان کا بھرم نہ رکھ پائی یہ مجھے تسلیم..... لیکن وہ تو میرے ماں باپ تھے ان کا دل کیسے اتنا چھوٹا ہو گیا۔ میں نے ہاتھ جوڑے..... پاؤں میں گر گئی مگر..... ڈیڈی نے ہنس کے صرف اتنا کہا۔ "مجھے اندازہ نہ تھا کہ روز حساب اتنی جلدی آجائے گا۔

میں نے بھی ایسے ہی تمہارے قدموں میں گر گر کے تمہیں اپنی عزت کا واسطہ دیا تھا..... نکل جاؤ میرے گھر سے بالکل اسی طرح جیسے پہلے بنا سوچے سمجھے نکل گئی تھیں۔" وہ مایوسی سے پلٹی..... ماں کی جانب آس بھری نظروں سے دیکھا مگر شوہر کی حکم عدولی ان کے لیے ناممکن تھی سو برستی آنکھوں سے رخ پھیر لیا۔ بڑی آس سے لائبہ آپی کی جانب دیکھا مگر وہ جانتی تھیں کہ اگر وہ ذرا سا نرم پڑیں تو ان کا تعلق بھی باپ کے گھر سے ہمیشہ کے لیے کٹ جائے گا۔

وہ ٹوٹے قدموں سے گھر سے دوبارہ نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

"آپی مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔" ثوبانہ نے بالآخر ہمت کی۔

"آپی....." وہ بہن کے گلے لگیں اور کچھ نہ چھپا سکیں۔

"عمر خان..... زیاد کا باپ ہے تم..... تمہارا مطلب ہے کہ۔" بے ترتیب اور نامکمل جملے کے اندر واضح مطلب تھا۔

"آپی! وہ کیوں آگیا ہے۔ اب کیا بچا ہے میرے پاس لوٹانے کے لیے اگر آ ہی گیا تھا تو ساریہ کیوں درمیان میں آگئی۔ میں نے حساب لینا تھا اس سے بے وفائی کا۔"

"میں تمہیں ساریہ کی وجہ سے پیچھے نہیں ہٹنے دوں گی کیونکہ یہ ساریہ کی زندگی کا بھی سوال ہے..... اب حساب کا دن آ ہی گیا ہے تو عمر خان کو جواب دینا ہی پڑے گا۔ تم نے اس کی محبت میں جوگ لیے رکھا اور وہ وہاں کسی اور کے ساتھ سکون بھری زندگی گزارتا رہا۔ تم ادھوری اور نامکمل رہیں اور وہ وہاں کسی اور کے ساتھ زندگی کی بہاریں لوٹتا رہا۔ بچے پیدا کیے۔" ثوبانہ نے سر جھکا لیا۔

"اس شخص سے محبت کا دعوا تھا تمہیں؟"

"آپی میں تب نہیں ٹوٹی تھی۔ اب ٹوٹ گئی ہوں۔ میں ہار گئی ہوں آپی..... میری محبت ہار گئی ہے۔"

"مگر میں تمہیں ہارنے نہیں دوں گی۔ وہ مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہے اور ہر ظالم وقت کی گرفت میں آتا ہے۔ اسے حساب دینا پڑے گا۔ تم اب بھی اس کی بیوی ہو۔ جس طرح اس عورت نے تمہیں اپنے راستے سے ہٹایا۔ تمہاری زندگی ٹھوکروں میں رکھی..... اب تم اس کا سارا مان اور غرور خاک میں ملا دو۔"

"لیکن آپی میرے بچے....."

"فخر سے سب کو بتانا کہ یہ عمر خان کے بچے ہیں۔ عمر خان اپنے بچوں کے لیے سب کچھ کرے گا۔ مجھے یقین ہے۔"

"آپی! اگر زیاد خان ماں کی خاطر پیچھے ہٹ گیا تو ساریہ دکھی ہو جائے گی۔"

"ساریہ کو تکلیف تو ہو گی۔ اچھا ہے شروع ہی میں بات کلیئر ہو جائے۔ ویسے وہ شخص بیٹے کی خوشی کی خاطر کچھ بھی کرے گا ایک ملاقات میں مجھے یہ تو اندازہ ہو ہی گیا ہے۔" ان کی نظروں کے سامنے عمر خان کا انداز محبت گھوم گیا۔

"بس تم وہ کرتی جاؤ جو میں تمہیں کہوں گی۔" فیض اور شبیر کے مارکیٹ سے لوٹنے تک وہ سب کچھ پلان کر چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"فاطمہ! ساریہ کے گھر والوں کا فون آیا تھا۔ انہیں

زیاد خان کا رشتہ منظور ہے۔" عمر خان نے سب سے پہلے یہ خوشخبری فاطمہ بی بی کو سنائی۔

"بہت بہت مبارک ہو خان!" وہ بے تحاشا خوش ہو گئیں۔

"آپ کو بھی مبارک ہو..... اب جلدی سے یہ خوشخبری آپ خود زیاد خان کو بھی سنا دیں۔" وہ اپنا موبائل نمبر ملا کے فاطمہ بی بی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

کچھ دیر بعد زیاد خان لائن پہ تھا۔

"ہیلو زیاد..... مبارک ہو تمہیں..... ابھی ابھی ساریہ بیٹی کے گھر سے فون آیا تھا۔ ان لوگوں نے ہاں کر دی ہے۔" فاطمہ بی بی کی آواز خوشی سے کانپنے لگی۔

"اماں! یہ سب آپ لوگوں کی دعاؤں کی بدولت ہوا ہے۔" وہ اپنی خوشی چھپا نہ پایا۔

"اللہ میرے بچوں کے راستے آسان کرے۔" انہوں نے دعا دی۔

رات عمر خان اپنے کمرے میں آئے تو انہیں عجیب سرشاری سی تھی۔ آج انہوں نے فاطمہ بی بی کے چہرے پہ خوشیاں رقصاں دیکھی تھیں۔ آج دل نے اپنے گناہوں کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی طرف پہلا قدم بڑھایا تھا۔

"کاش میں نے فاطمہ بی بی تمہیں اپنے آپ سے اس کمرے سے اتنی بے دردی سے نہ دور کیا ہوتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کی رات مجھے یہ سکون بھی ہے کہ فاطمہ کو مجھ سے کوئی سکون تو ملا۔"

نجانے رات کا کون سا پہر تھا کہ خان لالا کا فون آگیا کہ فاطمہ بی بی کی والدہ انتقال کر گئیں۔

"خان لالا! آپ جانتے ہیں کہ میرا ان سے ہر تعلق ختم ہو چکا ہے۔" عمر خان کے لہجے میں وہ پہلے والی سختی نہ تھی مگر وہ اپنی بات پہ پھر بھی جمے ہوئے تھے۔

"مگر فاطمہ سے تمہارا تعلق ہے اور فاطمہ کا تعلق پہلے ہر رشتے سے ختم ہو جائے مگر ماں سے رشتہ نہیں ختم ہو سکتا۔"

"خان لالا! میں انہیں وہ سب معاف کر سکتا ہوں جو انہوں نے میرے ساتھ کیا مگر جو کچھ انہوں نے فاطمہ کے ساتھ کیا ہے۔ وہ ناقابل معافی ہے۔"

"اس کا فیصلہ تم فاطمہ بی بی کو کرنے دو۔ کیا تم اس کو اس موقع پہ روک کے اس کے ساتھ ایک اور زیادتی نہیں کرو گے۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"خان لالا! میں کیا کروں میرا دل نہیں چاہتا کہ ان کی شکل تک دیکھوں..... میرے ساتھ انہوں نے جو بھی کیا مگر کیا فاطمہ کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا حساب نہیں ہونا چاہیے۔"

"اب اس حساب کتاب کا وقت گزر چکا ہے عمر..... فاطمہ کے ساتھ ان کے ساتھ ساتھ تم نے بھی تو ظلم کیا ہے..... کون کون حساب دے گا..... اب تم فاطمہ بی بی کو اپنا حساب کتاب خود کرنے دو۔" انہوں نے سختی سے کہہ کے عمر خان کو خاموش کر دیا۔

وہ فون بند کر کے فاطمہ بی بی کے کمرے کی طرف بڑھے۔ رات کے اس پہر عمر خان کو اپنے کمرے کے دروازے پہ دیکھ کر وہ لحظہ بھر کو چونکیں۔

"کیا بات ہے خان....." فاطمہ بی بی نے ان کے چہرے پہ الجھے ہوئے سوالوں کو پڑھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہیں۔

"فاطمہ دراصل..... بات یہ ہے کہ..... آپ کی والدہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔" بالآخر انہوں نے کہہ ہی دیا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں خان۔" فاطمہ بی بی کی آواز کانپی اور آنسوؤں نے دکھ کی شدت کا اظہار کر دیا۔

"کیا آپ مجھے وہاں جانے کی اجازت دیں گے؟" انہوں نے ڈرتے ڈرتے عمر خان سے پوچھا۔ جواب حسب امید تھا۔

"آپ چلی جائیں۔"

"خان....." وہ کچھ نہ کہہ پائیں۔ اس وقت بحث کرنے کا فائدہ نہ تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ انہیں جانے کی اجازت مل گئی تھی وگرنہ باپ کا چہرہ بھی نہ دیکھ پائی تھیں۔

ماں کے جھریوں زدہ چہرے نے فاطمہ بی بی کی خاموشی کو آنسوؤں میں بدل دیا۔ ہر کوئی ان سے گلے لگ کے بین کر رہا تھا۔ جنازے کے بعد۔

بھابھی نے عمر خان کے آگے ہاتھ جوڑ ڈالے کہ انہیں قل تک چھوڑ دیں مگر وہ پتھر بنے رہے۔ وہ لالا کے مجبور کرنے پر خود بھی آ گئے تھے۔

"اتنا بھی غنیمت جانیں۔" لہجے میں صرف زہر تھا۔ فاطمہ بی بی نے سر جھکا لیا۔

دلاور لالا آگے بڑھے اور ایک فائل فاطمہ بی بی کے ہاتھوں میں تھمائی تو عمر خان کے اندر تو طوفان ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے جھٹکے سے فائل فاطمہ بی بی کے ہاتھ سے جھپٹ لی۔

"عمر خان! یہ فاطمہ بی بی کے حصے کی جائیداد کے کاغذات ہیں۔" دلاور خان نے وضاحت کی۔

"جانتا ہوں..... مگر تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ تم فاطمہ کو بازار میں قیمت لگوانے نہیں لائے تھے۔ تم نے اس کی دو کوڑی بھی قیمت نہیں لگنے دی تھی۔ مفت میں بازار میں لا بٹھایا تھا۔ اب اس پتھر کی قیمت چکانے کا خیال تمہیں کیوں آیا۔ اب اس کی قیمت تمہاری اوقات سے بہت زیادہ ہے۔ اس لیے انہیں سنبھال کے رکھو۔" وہ انتہائی زیادہ غصے میں اپنا ضبط کھو بیٹھے۔

فاطمہ بی بی کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ رنگت ہلدی کی مانند اور ہونٹوں پہ لرزہ نمایاں تھا۔ بھابھی بمشکل انہیں سنبھالے ہوئے تھیں۔

"میں شرمندہ صرف اپنی بہن سے ہوں عمر خان..... جس کے ساتھ مجھ سے زیادتی ہوئی ہے..... تم مجھے قصوروار نہیں ٹھہرا سکتے۔ تمہارے خاندان والوں نے بہت عزت سے میری بہن کا رشتہ کیا تھا۔ ہماری عزت بھی داؤ پہ لگی تھی۔ پھر بھی ہم تم سے ہاتھ جوڑ کے معافی مانگتے ہیں۔" دلاور خان نے شکستہ لہجے میں کہا۔

"ہم دونوں سے پہلے تم اور تمہارے منصف اس کے خدا کو جواب دہ ہو۔ جس نے تمہارے ہاتھ میں انصاف کا ترازو دیا تھا اور تم نے اس میں دو انسانوں کو تول دیا۔ تم لوگ بھول گئے تھے کہ جب منصف بے انصافی پہ اتر آئے تو عرش عظیم کے چوبارے بھی ہل جاتے ہیں۔"

جبار خان نے آگے بڑھ کے عمر خان کو تھاما جن کا پورا وجود لرز رہا تھا۔ "میں نہیں جانتا دلاور خان! کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی مگر یہ یاد رکھنا کہ وہ میرے نام سے جڑی ہوئی..... سو تمہاری بہن کی قسمت کا فیصلہ وہی کرے گی۔ اب ترازو اس کے ہاتھ میں ہے خود دوں گا۔ وہ اب بھی میری زندگی کی مالک ہے۔"

کیا کیا طوفان نہ فاطمہ بی بی کے وجود میں برپا ہوئے تھے۔ ایسی آگ لگی تھی کہ سب کچھ جل کے راکھ ہو گیا تھا۔ مگر عجیب بات تھی کہ وہ پھر بھی کھڑی تھیں۔ دلاور خان نے عمر خان کے جانے کے بعد انہیں تھام کے گاڑی میں بٹھایا۔ اس کے بعد کسی کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ تھا۔ سارا راستہ گہری خاموشی میں کٹا۔ موت کا سا سناٹا چھایا تھا۔ البتہ آج ایک آخری آس بھی ٹوٹ گئی تھی فاطمہ بی بی کی کاش موت یا زندگی جو بھی سزا سنانی تھی عمر خان اپنے منہ سے سناتے۔ ایک دفعہ پھر وہ یوں بے قیمت نہ ہوتیں۔

☆ ☆ ☆

حویلی میں قدم آج اپنا ہی ساتھ نہ دے رہے تھے۔ بار ہا لڑکھڑائے جیسے پھانسی گھاٹ کی طرف جانے والے قیدی کی دھڑکنیں جواب دے رہی ہوں۔ آج ہر چیز انہیں پرائی لگ رہی تھی۔ ساری آسیں جو ٹوٹ گئیں۔

عمر خان اپنے کمرے میں چلے گئے تو جبار خان نے پریشانی سے فاطمہ بی بی کی جانب دیکھا جن کے چہرے پہ واضح شکست تھی۔

"فاطمہ! کبھی کبھی ہم جو بات کرتے ہیں، اس کا وہ مطلب نہیں ہوتا جو سمجھ لیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں عمر خان کو اس نے جو بھی کہا ہے صرف....."

"لالا! میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ میں تو ساری زندگی دوسروں کے فیصلوں پہ ہی سر جھکاتی رہی ہوں۔

کبھی اپنے بھائی کے، کبھی خان کے اور اب ثوبانہ عمر خان کے..... میرے لیے یہ حالات نئے تو نہیں ہیں۔ زبان کا یہ فیصلہ بھی سر آنکھوں پہ۔" وہ جو بول رہی تھیں، عمر خان کے کمرے کے کھلے دروازے سے بخوبی عمر خان کے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ جن کا پورا وجود کرچی کرچی ہو گیا تھا۔ وہ جذبات میں جو بول گئے تھے، وہ ان کے اپنے دل کو بھی تو لہولہان کر گیا تھا۔

"لالا آپ کے لیے چائے لاؤں۔" فاطمہ بی بی نے پوچھا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"نہیں! اب چلوں گا۔ اللہ حافظ....." ان کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئیں۔

اس کے بعد انہوں نے زیادہ تر اپنے کمرے کو ہی ٹھکانہ بنا لیا۔ لالی محسوس تو کر رہی تھی مگر لاکھ کوشش کے باوجود وجہ جاننے سے قاصر رہی۔ پھر ایک ہی خیال آیا کہ اماں کو نانو کی وفات کا صدمہ ہے۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں جو صبح ہنستے گئے تھے ٹوٹے تو یوں تھے کہ جیسے دونوں کے درمیان کچھ ہو گیا تھا۔ ناراض ناراض سے..... ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے..... شبیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

"فیض! کیا ہوا ہے۔"

"کچھ نہیں ماما....." اس نے ٹالنا چاہا مگر وہ ان کی ماں تھیں ان کی سانسوں کی رفتار سے بھی واقف..... وہ اس پہ کیسے یقین کر لیتیں کہ سب ٹھیک ہے۔

"ادھر دیکھو..... میری طرف....."

"ماما..... شبیر ناراض ہو گیا ہے۔" وہ زیادہ دیر چھپا نہ پایا۔

"کیوں..... وہ تو کبھی ناراض نہیں ہوتا۔" انہیں جھٹکا لگا۔

"یہ آپ اسی سے پوچھ لیں....." فیض نے کہا تو وہ اٹھ کے اس کی جانب چلی آئیں۔

"شبیر میرے بچے..... ایسا کیا ہو گیا ایک دوسرے پہ جان دینے والے بھائیوں کے بیچ۔" وہ اس کا چہرہ تھام کے محبت سے پوچھنے لگیں۔

"ماما اس سے کہہ دیجیے گا مجھ سے بات نہ کرے۔" وہ خلاف عادت بہت زیادہ غصے میں تھا۔

"میری جان مجھے بات بھی تو پتا چلے۔" وہ زچ ہو کے بولیں۔

"ماما اس نے مجھے موبائل گم ہونے پہ بری طرح ڈانٹا ہے۔ میں اگر ہر وقت ہنستا ہوں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میری کوئی عزت ہی نہیں ہے۔ سب دوستوں کی موجودگی میں بنا یہ سوچے کہ میری کتنی انسلٹ ہو رہی ہے..... یہ....." وہ پھٹ پڑا۔

"یہ تو اس نے بہت برا کیا..... ایک معمولی چیز کی خاطر بھائی کا دل توڑ دیا۔ اس نے غلط کیا ہے۔"

شبیر بے چینی سے چہرے پہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ ثوبانہ شاہ نے اس سے پہلے کبھی اسے اس طرح کے ذہنی دباؤ میں نہیں دیکھا تھا۔

وہ فیض کی طرف آئیں تو چپ چاپ سا بیٹھا تھا۔

"بیٹا! میرا دل نہیں مانتا کہ تم نے صرف موبائل گم ہو جانے پہ بھائی کے ساتھ بدتمیزی کی ہے۔ یقیناً اس کے پیچھے کوئی اور وجہ ہے۔" وہ آہستگی سے بولیں تو وہ گھبرا گیا۔

"اور وجہ سے کیا مراد ہے آپ کی۔ بھلا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے۔" اس کی آواز اس کے چہرے کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"فیض! کیا ایک موبائل تمہیں بھائی سے زیادہ عزیز تھا۔"

"ماما! میں اب سوری کر تو رہا ہوں مگر مان ہی نہیں رہا۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"کیونکہ جن سے محبت ہوتی ہے، ان کا لہجہ بدل جائے تو انسان کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بے جان چیزیں انسانی جذبوں سے زیادہ اہم نہیں ہوتیں۔ تمہیں کم از کم دوستوں کے سامنے اسے ڈانٹنا نہیں چاہیے تھا۔ انسان کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے۔" انہوں نے سمجھایا تو ندامت کا احساس شدت سے جاگا۔

"یقیناً" میں نے غلط کیا ہے ماما! مگر اس میں میرے بہت امپورٹنٹ نمبرز تھے۔" وہ انہیں کیسے بتاتا کہ کتنی مشکل سے اس نے اپنے خوابوں میں آنے والی کا نام اور فون نمبر کلرک سے سوبھانے کر کے لیا تھا۔

"بیٹا! قیمتی سے قیمتی چیز بھی ٹوٹ جاتی تو پھر حاصل کی جاسکتی ہے مگر انسان کا دل ٹوٹ جائے تو دوبارہ نہیں مل سکتا اور ہمارے پاس تو گنے چنے چند ہی رشتے ہیں۔ ان کا بھرم تو نہیں ٹوٹنا چاہیے۔"

"سوری ماما۔۔۔" اسے شرمندگی نے گھیر لیا۔ اپنی غلطی کا احساس بھی ہو گیا تھا۔

"یہ سوری جا کے اس سے کہو، جسے ناراض کیا ہے۔ جو تمہارے دکھ سکھ کا ساتھی ہے۔" وہ مسکرائیں۔ مگر لگتا تھا کہ اس کی عزت نفس بری طرح مجروح ہوئی تھی۔ اس لیے اس نے لاکھ کہنے پہ بھی کمرے کا دروازہ نہیں کھولا۔

ساری رات فیض نے ٹی وی لاؤنج میں گزار دی۔ شبیر فجر کی نماز کے لیے اٹھا تو اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر ناراضی کہیں دور جا بھاگی۔

"فیض یہ کیا۔۔۔ تم ساری رات یہاں بیٹھے رہے۔" وہ جھنجھلا کے بولا۔

"آئی ایم سوری شبیر۔۔۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ میں جانتا ہوں میں نے تمہیں بری طرح ہرٹ کیا ہے۔" فیض نے اسے کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا تو وہ اپنی پرانی جون میں لوٹتے ہوئے بولا۔

"بس زیادہ مخنثم بننے کی ضرورت نہیں۔ جاؤ جا کے نماز پڑھو۔"

"شبیر! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تم جو مرضی سزا دے دو۔"

"سزا تو تم نے سہلی ساری رات یہاں بیٹھ کے۔" وہ مسکرایا تو فیض نے اسے گھور کے دیکھا۔

"یہ سزا تو ماما نے بھی کاٹی ہے۔ انہوں نے بھی رات کھانا نہیں کھایا۔"

"واٹ۔۔۔" اگلے ہی پل وہ ماں کے کمرے کی جانب دوڑ لگا چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو زیاد۔۔۔ کیسے ہو۔" ساریہ نے پوچھا تو وہ اس کی بے قراریوں کا مزا لینے لگا۔

"بزی ہوں، ہزاروں کام ہیں یہاں۔"

"اور میں کہاں ہوں۔۔۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"یہاں ہو۔۔۔ اور بھلا کہاں ہو سکتی ہو۔" وہ اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے بولا۔

"کہاں۔۔۔" وہ الجھی۔

"بھئی اب ہاتھ رکھ کے بھی بتا دیا مگر تمہیں سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ بھرپور شرارت کے موڈ میں تھا۔

"اب سائنس نے اتنی ترقی بھی نہیں کی کہ مجھے موبائل پہ آپ کے اشارے بھی سمجھ آجائیں۔" وہ اس کی شرارت کو سمجھ گئی۔

"ساریہ! تم صرف اور صرف میرے دل میں رہتی ہو۔ میں نے اپنے آپ کو تمہاری محبت کے جذبوں کی زنجیروں میں باندھ لیا ہے۔ اب بھلا میں کہاں جا سکتا ہوں اس قید سے نکل کے۔"

"کب واپس آؤ گے۔۔۔ میں تمہیں مس کر رہی ہوں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں تمہیں گئے ہوئے۔"

"ڈیر! میں ان شاء اللہ اب جلد ہی آؤں گا اور اہتمام سے آؤں گا۔۔۔ یہ مرجانہ کا مسئلہ ذرا سیٹل ہو جانے دو۔" وہ لمبی سانس لے کے بولا کہ وہ اسے کیا بتاتا کہ مرجانہ اس کی محبت پہ اپنا حق جتانا چاہ رہی ہے۔

"اب کیسی ہے مرجانہ۔۔۔"

"کافی بہتر ہے مگر ابھی اس کے چہرے کے زخم تازہ ہیں۔" زخم تو اس کے دل کے لگنے کے بھی تازہ تھے مگر یہ وہی جانتی تھی۔

"کیا زیادہ زخم ہیں چہرے پہ۔۔۔"

"ہاں دو زخم ایسے ہیں جو بالکل سامنے ہیں۔ ان کے لیے میں نے ڈاکٹر امجد سے وقت لیا ہے۔ ہو سکتا ہے ایک دو دن تک ہم لوگ آجائیں۔"

"اللہ اس کی مشکل آسان کرے۔" فون بند کر کے وہ عمر خان کے کمرے کی طرف چلا آیا۔

"بابا! ریحانہ مرجانہ کو لے کر شہر ہسپتال چلا گیا ہے۔ میں بھی چلا جاتا ہوں۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ ضرور جاؤ اور سنو اپنی ماں سے تم نے بات کی کہ وہ کب جانا چاہیں گی ساریہ کے گھر تمہارے رشتے کے سلسلے میں۔" خود تو اپنے پر کاٹ چکے تھے اب بلاواسطہ ہی تعلق جوڑنا تھا۔

"بابا! آپ خود ہی اماں سے بات کر لیں نا۔" وہ سر جھکا کے بولا۔

"بیٹا پلیز، آپ جاؤ اور اپنی ماں سے سارا پروگرام طے کر کے مجھے بتا دو۔۔۔"

"جی اچھا۔۔۔" وہ اٹھا اور ماں کی طرف چلا آیا۔

"اماں۔۔۔ آپ اور بابا کم از کم اولاد کے لیے تو ایک دوسرے سے بات کر سکتے ہیں۔" وہ اذیت سے آنکھیں موندتے ہوئے بولا۔

"بیٹا۔۔۔ میں کرلوں گی خان سے بات۔۔۔ اور ایک آدھ دن میں چلیں گے ان کے گھر۔" زیاد خان کی خاطر انہیں یہ بھی منظور تھا۔

☆ ☆ ☆

آج صبح کتنے دنوں بعد وہ ناشتے کی میز پہ آئیں۔ عمر خان نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ لائبہ نے اپنے قدم واپس موڑ لیے جب ان دونوں کو بیٹھے دیکھا تو۔

"آئی ایم سوری فاطمہ۔۔۔ میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔ میرا ہرگز وہ مطلب نہیں تھا جو میں وہاں بول گیا۔ بس اس لمحے بہت غصہ آگیا تھا۔"

"خان! میں نہیں سمجھتی کہ میں اتنی اہم ہوں کہ آپ کو مجھے اپنے کہے کی وضاحت دینی پڑے۔ آپ مالک ہیں۔۔۔ فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔" وہ مضبوط لہجے میں گویا ہوئیں۔ عمر خان بنا کوئی بات کیے انہیں دیکھے چلے گئے۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں۔" فاطمہ بی بی نے انتہائی اعتماد سے پوچھا۔

"دیکھ رہا ہوں کہ تم اور کتنے زخم سہنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ نہ ٹوٹتی ہو اور نہ ہی بکھرتی ہو۔۔۔ اب بھی ایک چٹان کی طرح جمی ہو۔" وہ فاطمہ بی بی کے چہرے کا محاصرہ کرتے ہوئے بولے۔

"نہیں خان! اب بہت کمزور ہو گئی ہوں۔"

"فاطمہ مجھے معاف کر دو۔"

"خان! مجھے میری اوقات میں رہنے دیں۔" وہ دوسری جانب دیکھتے ہوئے بولیں۔

"میری زندگی کا فیصلہ اب اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ ثوبانہ عمر خان ہو گی اور میری دعا ہے کہ اللہ اسے آپ کے نام کے ساتھ ہمیں ملائے۔" اب کے انہوں نے عمر خان کی آنکھوں میں دیکھ کے کہا مگر تمام تر حوصلوں کے باوجود وہ اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو نہ چھپا پائیں۔

"فاطمہ! کسی کو چاہنا اپنے اختیار میں تو نہیں ہوتا نا! میں نے اگر اس کا ہاتھ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے تھام ہی لیا تھا تو اس میں میرا کیا قصور تھا۔" وہ بے بسی سے بولے۔

"میں نے کبھی آپ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہ شکوہ ضرور ہے کہ نہ اس کا بھرم رکھا اور نہ میرا۔"

"میں مانتا ہوں فاطمہ! کہ میں ایک ہارا ہوا انسان ہوں۔ میں زندگی کی جنگ میں بہت بری طرح ناکام ہوا ہوں مگر میں نے ہتھیار بھی تو ڈالے ہیں۔ کیا میرے لیے کوئی معافی نہیں ہے۔" عمر خان کا لہجہ مکمل طور پر شکستہ تھا۔

"خان ہم تینوں میں سے مظلوم کون ہے۔۔۔ ظلم کس کے ساتھ ہوا ہے۔۔۔ الزام کس کے سر ہے۔" وہ تلخ ہو گئیں۔

"صرف اور صرف میرے سر۔۔۔ میں ہوں ظالم۔۔۔ مجھے معاف کر دینا۔۔۔ وہ بھی ملی تو ہاتھ جوڑ کے معافی مانگوں گا۔ تمہارے سامنے بھی یہ ہاتھ جڑے ہیں فاطمہ۔۔۔" کہتے ہوئے عمر خان نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

کبھی کبھی ان کے لہجے سے وہ تاثر ابھرتا تھا کہ جو فاطمہ بی بی کو اندر تک سرد کر دیتا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ

پڑجاتی تھیں کہ اس ٹوٹے پھوٹے شخص کو اپنا کمزور سا سہارا دے ڈالیں مگر پھر سنبھل جاتیں۔

"فاطمہ! میں نے بہت کوشش کی کہ آپ کی حق تلفی نہ ہو مگر......"

"خان میری حق تلفی ہوئی ہے..... ہر وہ دن..... ہر وہ لمحہ جس پہ میرا حق تھا..... میرے خوابوں کو میری آنکھوں سے چھین کر بے توقیر کیا گیا۔ کیا گناہ تھا میرا اس کے علاوہ کہ جس سے رشتہ بندھا اس کے خواب ہی تو آنکھوں میں سجائے تھے۔ رشتہ طے بھی کس نے کیا تھا۔ آپ کے والد محترم نے..... ان کے غلط فیصلے کی سزا میں نے آج تک سہی ہے۔" پہلی دفعہ وہ سب لحاظ بالائے طاق رکھ کر بات کر رہی تھیں۔

"مجھے سب تسلیم ہے فاطمہ کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے..... میرا سر اسی لیے ہی تو جھکا ہے۔"

"خان! مجھے آپ کا جھکا سر دیکھنے کی کبھی خواہش نہیں رہی۔"

"فاطمہ! وہ میری جوانی کا ایک سپنا تھی۔ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی مگر تم حقیقت ہو..... یقین جانو کہ میں تمہیں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔" وہ جواب میں طنزاً" مسکرا دیں۔

"کاش! میرے لفظ اتنے معتبر ہوتے کہ قبولیت کی سند پاتے۔" حسرت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بات بدل گئیں۔

"خان..... میں نے زیاد خان کے سلسلے میں بات کرنی تھی کہ اب ہم کب جائیں گے رشتہ لے کے؟"

"ہاں..... میرا خیال ہے کہ کل چلتے ہیں۔" وہ جیسے گہری نیند سے جاگے تھے۔

"ٹھیک ہے..... کل صبح جلدی نکلیں گے۔"

"فاطمہ! خان لالا چاہ رہے ہیں کہ ایک دو ماہ کے اندر لالئی اور رنیط خان کی شادی بھی ہو جائے۔" وہ چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولے۔

"یہ تو اچھی بات ہے پھر آپ نے کیا سوچا؟"

"دیکھتے ہیں..... یہ زیاد خان کا معاملہ طے ہو تو پھر بات کرتے ہیں۔"

وہ خاموش ہو گئیں۔ عمر خان نے سامنے اخبار پھیلا لیا۔

☼ ☼ ☼

"السلام علیکم....." شمائلہ، عائلہ کے انتظار میں بیٹھی تھی کہ مردانہ آواز پہ چونک اٹھی۔

"جی آپ کون۔" اس نے گھبرا کے اپنی چادر کو اور سختی سے اپنے گرد لپیٹا۔

"میں فیض ہوں اور آپ سے بات کرنا چاہ رہا ہوں۔"

"کیسی بات؟" اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"شمائلہ میں دراصل....." اس کی اپنی زبان بھی لڑکھڑا گئی۔

"میں چلتی ہوں۔" وہ فوراً" اٹھی مگر وہ اس کے سامنے آ گیا۔

"پلیز شمائلہ..... میں نے بہت ہمت کی ہے یہاں تک آنے میں....."

"مگر کیوں....."

"کیونکہ میں ایک نظر میں اپنا دل ہار بیٹھا ہوں۔ مجھے لگی لپٹی رکھنی نہیں آتی۔ سچی بات یہ ہے کہ اس دن جب — راہداری میں آپ کو دیکھا تھا تو اب تک سنبھل نہیں پایا۔ آپ میرے حواسوں پہ چھا گئی ہیں۔ آئی رئیلی فیل ان لو فار یو۔"

اس انکشاف پہ شمائلہ کا دل پہلے پھیلا اور پھر سکڑا۔ اس نے حیرت سے اس لڑکے کو دیکھا جو دل ہتھیلی پہ لیے اس کے سامنے تھا۔ وہ ایسا تھا کہ کسی کا بھی آئیڈیل ہو سکتا تھا۔ شمائلہ نے کبھی اس بات کا دعوا نہیں کیا تھا کہ وہ بہت ثابت قدم ہے۔ اسے تو ہمیشہ خوابوں اور خیالوں کی دنیا میں رہنا اچھا لگتا تھا۔ ایک شاندار شخصیت کا مالک شخص اس کا آئیڈیل بھی تھا ..... کیا وہ فیض جیسا نہیں تھا..... ابھی تو یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

بس اس کے سپنوں میں ایک شہزادہ تھا جس کے سنگ وہ ہواؤں میں بنا پروں کے بس اڑتی ہی چلی جاتی تھی۔ وہ اڑتے ہوئے اس سے خواہش کرتی تھی کہ وہ اسے دیکھے..... یوں کہ وہ سمٹنے کا ہنر ہی بھول جائے اور جب بکھرے تو وہ اسے اپنی پوروں سے چن چن کے پھر جوڑ دے۔ اس کے سنگ جگنوؤں اور تتلیوں کے دیس گھومتی رہے اور زندگی یوں ہی گزر جائے.....

مگر کتنا فرق تھا خوابوں اور حقیقت کی دنیا میں۔ خواب دیکھتے اسے کبھی ڈر نہیں لگا تھا..... لیکن اسے مجسم دیکھ کے دل سوکھے پتے کی مانند لرزنے لگا تھا۔

"شمائلہ! یقین جانو میں نے بہت کم وقت میں تمہیں بہت زیادہ سوچا ہے۔ مجھ سے چاہتے ہوئے بھی نظریں نہیں چرا پاؤ گی تم۔" فیض نے کہتے ہوئے اس کو اپنی نظروں کے حصار میں لے لیا۔ اس کا گلابی چہرہ، کانپتے ہونٹ اور لرزتی پلکیں فیض کے دل کی دنیا کو تہ و بالا کر رہی تھیں۔

"شمائلہ..... مجھے جواب چاہیے۔" فیض نے پوچھا تو وہ بنا جواب دیے آگے نکل گئی۔

اس سے منہ پھیر تو آئی تھی مگر دل کی دھڑکنوں کا کیا کرتی جو بے قابو ہوئی جا رہی تھیں۔

اس کی عمر بھی ایسی تھی کہ محبت کی دھیمی دھیمی آنچ اس کے وجود کو پگھلانے لگی تھی۔ وہ تو ہمیشہ سے ایسے ہی سپنے دیکھتی تھی۔

اسے فیض پہ غصہ نہیں آ رہا تھا۔ عجیب سی کشمکش میں دل پھنس گیا تھا۔

ہاسٹل آئی تو نجانے کیا ہوا پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔ اسے خود یہ حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اس کی اتنی باتیں بھلا سنتی کیوں رہی تھی۔ کیوں نہ پہلے ہی قدم پہ اسے روک دیا۔ اظہار محبت پہ ہاتھ کیوں نہ اٹھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔

یہ راہ غلط ہے۔ کالجوں، یونیورسٹیوں اور ہوٹلوں میں پنپنے والی محبتیں سراسر گھاٹا ہوتی ہیں۔

عائلہ نے حیرت سے اسے دیکھا آنسو تھے کہ گلابی رخساروں کو بھگوئے جا رہے تھے۔

اس سے زیادہ دیر صبر نہ ہو سکا وہ اس کے پاس جا بیٹھی۔

"عائلہ....." وہ روتے ہوئے اس سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا ہے تمہیں....." وہ اس کا تڑپنا دیکھ کے گھبرا گئی۔

"وہ فیض آیا تھا..... کہہ رہا تھا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔" ہچکیوں کے درمیان اس نے بمشکل اپنی بات کی۔

"فیض جو ایم بی اے ڈپارٹمنٹ میں ہے؟ اس کا جڑواں بھائی بھی ہے شبیر۔ اسی کی بات کر رہی ہو نا؟" عائلہ نے تصدیق چاہی۔ حالانکہ وہ اسی دن فیض کی نظروں میں بے قراری دیکھ چکی تھی۔

"ہاں وہی جو اس دن ملا تھا..... راہداری میں۔"

"اسے تم سے محبت ہو گئی ہے..... واہ ونڈر فل..... ویسے آپس کی بات ہے اس سے بات کرنے کے لیے لڑکیاں مری جاتی ہیں۔ اس سے قریب ہونے کے لیے جتن کرتی ہیں اور تم رو رہی ہو۔ ارے پاگل! اتنا زبردست بندہ ہاتھ لگ رہا ہے تمہارے۔" وہ رکے بنا بولی۔

"فضول باتیں مت کرو۔" اسے اس کے جواب پہ غصہ آ گیا۔

"ہاں جناب! نخرہ تو بنتا ہے آپ کا..... بندہ حسن کی دولت سے مالا مال ہو تو بنتا ہے..... اب ہمیں ہی دیکھ لو ..... اس سانولی سلونی رنگت پہ میک اپ کا سہارا ابھی نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔"

"انسان کی سیرت اچھی ہونی چاہیے..... وہ اس کا کمال ہوتا ہے۔ اچھی صورت تو اس مصور کائنات کا کمال ہوتا ہے۔"

"چھوڑو اس بات کو۔ اور اپنے مسئلے پہ آؤ....." عائلہ نے کہا۔ "یہ بھی حقیقت ہے کہ محبت قسمت کی دیوی کی مانند ایک بار ہی مہربان ہوتی ہے۔"

"لیکن مجھے اس سے محبت نہیں کرنی۔"

"دیکھو ڈیر! تم اس بات کا فیصلہ تو کر سکتی ہو کہ تمہیں اس سے شادی نہیں کرنی مگر تمہیں اس بات پہ قطعاً" اختیار نہیں کہ تمہیں اس سے محبت نہیں

کرنی۔ یہ کی نہیں جاتی بلکہ ہو جاتی ہے۔" اس نے سمجھایا۔

"مگر مجھے اس سے محبت بھی نہیں ہے۔"

"اچھا؟" عائلہ نے بے یقین نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ شائلہ نظریں چرا گئی۔

☆ ☆ ☆

"لالا۔۔۔ آپ کل جا رہے ہیں ناواپس۔۔۔" لائبہ نے پوچھا۔

"ہوں۔۔۔ آج رات بابا لوٹ آئیں تو کل صبح نکلوں گا۔۔۔ پہلے ہی ہسپتال سے کافی چھٹیاں ہو گئی ہیں۔" وہ اخبار بند کر کے میز پہ رکھتے ہوئے بہن کی طرف مڑا۔

"اور خوشخبری سنانے کی بھی جلدی ہو گی۔" وہ مسکرائی۔

"وہ تو سنا بھی دی۔"

"کیا کہہ رہی تھیں سار یہ بھابھی۔۔۔" لائبہ کے لہجے میں نام لیتے ہی مٹھاس بھر آئی۔

"ظاہر ہے خوش تھی۔"

"لالا! وہ سب تو ٹھیک ہے مگر یہاں کے حالات۔۔۔ میرا مطلب ہے مرجانہ۔۔۔ اس کے بارے میں بھی تو سوچیں۔"

"لائبہ! مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔۔۔ تم جانتی ہو میں نے کبھی اسے اس نظر سے نہیں دیکھا۔ میری کزن ہے، چھوٹی بہن سمجھ کر میں نے اس کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھا۔ اور وہ پتا نہیں کیا سمجھ بیٹھی۔"

"مگر لالا! وہ تو بالکل سب سے کٹ کر رہ گئی ہے۔ آپ کو اسے واپس زندگی کی طرف لانا ہو گا۔ وہ یقیناً آپ کی بات نہیں ٹالے گی۔" لائبہ نے زیاد خان کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"لائبہ! میں اس کی یکطرفہ محبت کے پاگل پن پہ اسے کیا سمجھاؤں۔۔۔"

"لالا! اس کی محبت یکطرفہ تھی۔۔۔ مگر نقصان یکطرفہ نہیں ہے۔ ہم سب نقصان اٹھائیں گے۔" اس کا دل کہتے ہوئے رو پڑا۔ سب سے بڑا نقصان تو وہ خود اٹھا چکی تھی، ربیط کی محبت انتقام میں بدلتے دیکھ کے۔

"لائبہ تم بتاؤ کہ میں کیا کروں۔ میں خود ٹوٹ رہا ہوں۔۔۔ مجھے اپنی خوشی زنگ آلود ہوتی نظر آ رہی ہے۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد زیاد خان مردہ قدموں سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

جس کے حویلی میں نہ ہونے کی دعا مانگی تھی وہ سامنے تھی۔

تایا جی اور ربیط کسی جرگے میں گئے ہوئے تھے اور تائی اماں شاید نماز پڑھ رہی تھیں۔

"آپ۔۔۔" اس کی ہرنی جیسی آنکھیں حیرت لیے ہوئے تھیں۔

"کیسی طبیعت ہے اب تمہاری۔۔۔"

"بہتر ہے۔۔۔"

"ناراض ہو مجھ سے۔۔۔" ہمت کر کے زیاد خان نے بات شروع کی۔

"نہیں۔۔۔"

"حالت دیکھو اپنی۔۔۔ کس سے انتقام لے رہی ہو۔"

"خود سے۔۔۔ اپنے غلط اندازوں کی سزا خود ہی کو دے سکتی ہوں۔" کہہ کے ہمیشہ کی طرح اپنے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی کا ناخن دانتوں سے کاٹنے لگی مگر آج اسے زیادہ نے ہمیشہ کی طرح ٹوک کے نہ کہا کہ تمہاری یہ انگلی گھس جائے گی۔

"آئی ایم سوری مرجانہ۔۔۔ کاش! یہ دکھ تمہیں مجھ سے نہ ملا ہوتا۔"

وہ اس کے چہرے پہ زخموں کے نشان دیکھ کے تڑپ اٹھا تھا۔ اس کی سرخ و سفید رنگت پھیکی پڑ چکی تھی اور خوب صورت چاند چہرے کو گرہن لگ چکا تھا۔

"میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ اتنی اچھی لڑکی کو میری وجہ سے تکلیف پہنچے۔ مرجانہ! میرا یقین کرو میں نے تمہیں صرف ایک ہی نظر سے دیکھا تھا اور وہ تم جان چکی ہو۔ تم میری نازک سی پیاری سی گڑیا جیسی۔۔۔" زیاد نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کی ہتھیلیاں نم تھیں۔ آنکھیں چھلکنے کو تیار۔

"زیاد کیا چاہتے ہیں آپ۔۔۔" اس نے جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم زندگی کی طرف لوٹو۔۔۔ بھول جاؤ سب۔۔۔ یقین کرو تمہارا نصیب کوئی بہت اچھا شخص ہو گا۔ اسی لیے اس رب نے مجھے راستے سے ہٹا دیا۔" اس نے ہمت نہ ہاری۔

"مان لیا۔۔۔"

"میں نے سینئر ڈاکٹرز سے بات کر لی ہے۔"

"میں نے کسی ڈاکٹر کو نہیں دکھانا۔ یہ زخم میری زندگی کا حاصل ہیں۔۔۔ میں نے ان ہی کے ساتھ زندگی گزارنی ہے۔" وہ صاف منکر تھی۔

"مت کرو ایسی فضول باتیں۔۔۔ میں تمہیں یوں زندگی برباد نہیں کرنے دوں گا۔ یہ پاگل پن ہے۔۔۔" وہ چیخ اٹھا۔

"مجھے اپنا پاگل پن جی جان سے قبول ہے۔ یہ میری زندگی ہے جیسے مرضی گزاروں۔ آپ کو اس سے کیا۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"تم یہ زندگی میرا نام لے کے برباد کر رہی ہو جو مجھے منظور نہیں۔" وہ زچ ہوا۔

"آپ کا نام لے کے آباد کرنے کی خواہش کی تھی۔ کیا ملا۔۔۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے بولی تو وہ بھڑک اٹھا۔

"تم ایسا نہیں کرو گی۔۔۔"

"آپ مجھے روک نہیں سکتے۔" وہ اپنی کہی ہوئی ہستیہ جی رہی۔

"تم مجھے رسوا کرنا چاہتی ہو؟"

"جو مرضی سمجھ لیں۔۔۔"

"پھر ٹھیک ہے۔۔۔ میری طرف سے جہنم میں جاؤ۔" وہ سب لحاظ بھول گیا۔

"جہنم میں صرف میری، بہن ہی نہیں، تمہاری، بہن بھی جائے گی زیاد خان! وہاں لے جا کے ماروں گا جہاں دو گھونٹ پانی بھی نہیں ملے گا۔ ایسے ہی وہ بھی تڑپے گی۔"

زیاد خان کے منہ سے نکلا ہوا آخری جملہ مرجانہ کے کمرے کی جانب آتے ربیط خان کو آگ لگا گیا۔ زیاد اپنی جگہ سن رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"ماما! یہ کس کی تصویر ہے؟" ثوبانہ کمرے میں داخل ہوئیں تو شبیر کو اپنی الماری کے سامنے کھڑا پایا۔ اور اس کے ہاتھ میں پکڑی تصویر دیکھ کے ثوبانہ شاہ کا رنگ فق ہو گیا۔

"شبیر۔۔۔" ان کی آنکھوں کے ساتھ ان کی آواز بھی پھٹ گئی۔

"ماما۔۔۔ کون ہیں یہ؟" اس نے سوال دہرایا۔

"ماما۔۔۔" بدلے میں اسے جواب تو کیا ملتا ایک زور دار چانٹا نصیب ہوا۔ دروازے پہ کھڑے فیض کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے چھوٹ گئی۔

شبیر سمجھ ہی نہ پایا کہ یہ کیا ہوا تھا۔ وہ گال پہ ہاتھ رکھے ثوبانہ شاہ کو دیکھتا چلا گیا۔

"تم نے میری الماری کیوں کھولی؟" کہتے ہوئے انہوں نے تصویر اس کے ہاتھ سے چھین لی۔ وہ غصے سے کانپ رہی تھیں۔

فیض نے ثوبانہ شاہ کو صوفے پہ بٹھایا۔ شبیر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ فیض ماں کے رویے پہ خود بھی پریشان تھا۔

"ماما! یہ پانی پی لیں۔" فیض نے گلاس آگے بڑھایا تو انہوں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ماما پلیز۔۔۔"

"کیوں کھولی اس نے میری الماری۔۔۔" ان کی زبان پہ ایک ہی سوال تھا۔

"اچھا آپ ریلیکس کریں، میں سمجھاؤں گا اسے۔

آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" فیض نے بمشکل انہیں نارمل کیا اور بیڈ تک لے کے آیا۔
"ٹھیک ہوں میں..... جاؤ اب تم۔" وہ پیٹھ موڑ کے لیٹ گئیں تو وہ اپنے کمرے میں آگیا۔
لیکن وہ پورے گھر میں ہی نہیں تھا۔
"اس نے شبیر کا نمبر ملایا۔ گھنٹی مسلسل جا رہی تھی مگر وہ اٹھانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔
فیض بھی ڈھٹائی سے ملاتا رہا۔ بالآخر اس کی جھنجلائی ہوئی آواز سنائی دے ہی گئی۔
"ماما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جلدی آجاؤ۔"
"آرہا ہوں....."
"واپس آیا تو روٹھا روٹھا بیٹھا رہا، ثوبانہ کی ٹیبلٹس نکال کے ان کی طرف بڑھائیں۔
"ماما! دوا کھالیں۔"
"نہیں لینی مجھے دوا....." ثوبانہ شاہ نے غصے سے کہہ کے منہ پھیر لیا اور دوا کھانے سے بھی انکار کر دیا۔
"چلیں ماما! یہ تو اندازہ ہو گیا کہ کچھ بے جان چیزیں آپ کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔" وہ انتہائی غصے سے کہہ کے کمرے سے نکل گیا۔
فیض کی جان سولی پہ لٹکی ہوئی تھی۔ فیض ان کے اتنے شدید رد عمل پہ حیران تھا۔ لیکن پھر بھی ثوبانہ شاہ کو لے کے وہ ٹیبل پہ آگیا۔
ثوبانہ شاہ نے کنکھیوں سے اپنے لاڈلے کو دیکھا۔ وہ روٹھا روٹھا اور بھی پیارا لگ رہا تھا۔ وہ نجانے کس خوف کے پیش نظر اس سے اتنی زیادتی کر گئی تھیں۔ صبر نہ ہوا اور اس کو اپنے کمزور سے بازوؤں میں بھر لیا۔
"آئی ایم سوری میری جان..... میں نے تمہیں ہرٹ کیا۔"
ثوبانہ شاہ اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگاتے ہوئے بولیں تو وہ ان کا ہاتھ تھام کے دیوانوں کی طرح چومنے لگا۔
بظاہر تو سب نارمل ہو گیا تھا مگر ایک پھانس سی فیض اور شبیر کے دل میں رہ گئی تھی۔ دوسری طرف ثوبانہ شاہ تھیں جن پہ وہ رات قیامت بن کے آئی تھی۔ وہ ماضی میں نہیں جھانکنا چاہتی تھیں۔ ان کا ماضی سے رشتہ بہت دردناک تھا۔ ان سے تعلق رکھنے والے ہر فرد نے ان کی زندگی کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ نیند کی گولی کھا کے بھی سکھ کی نیند نہ آئی۔
رات کا نجانے کون سا پہر تھا کہ ان کی آنکھ کھل گئی۔ دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ پورا جسم پسینے پسینے ہو رہا تھا۔ جب طبیعت کسی طرح نہ سنبھلی تو موبائل پہ شبیر کو بیل دی۔
دو منٹ میں دونوں ان کے پاس تھے۔
شبیر نے گھبرا کے ان کی زبان کے نیچے گولی رکھی اور زبردستی اسپتال لے آئے۔
ساریہ اس وقت ڈیوٹی پہ ہی تھی۔ انہیں آئی سی یو میں شفٹ کر لیا گیا تھا۔ شبیر ساری صورت حال کا ذمہ دار خود کو ہی گردان رہا تھا۔
"اللہ کا شکر ہے..... خالہ جانی کی حالت اب بہتر ہے۔ انجائنا کا اٹیک تھا۔" ساریہ نے خیر کی خبر سنائی تو دونوں کے چہرے کا رنگ بدلا۔ صبح ان کی حالت کافی بہتر تھی۔ ڈاکٹرز نے ملنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔
زیاد خان کی ڈیوٹی بھی ان کے ساتھ تھی۔ وہ رات ہی ڈیوٹی پہ پہنچا تھا۔
"ویسے خالہ جانی! آپ جیسی بہادر خاتون کے ساتھ یہ مسئلے اچھے نہیں لگتے۔" وہ ان کا بی پی چیک کرتے ہوئے بولا۔ ثوبانہ شاہ نے تھکی تھکی آنکھوں سے اسے دیکھا۔
اس کی شکل ہو بہو عمر خان جیسی ہی تھی۔ وہی قد کاٹھ..... وہی پشتو لہجہ..... کھڑے کھڑے نقش..... اپنے سحر میں جکڑنے والے۔
"تمہیں کس نے کہا کہ میں بہادر ہوں۔" ثوبانہ شاہ نے بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے پوچھا جو دواؤں کے زیر اثر بند ہو رہی تھیں۔
"ساریہ نے..... وہ تو آپ کو اپنا آئیڈیل مانتی ہے۔"
"تب ہی میرے نقش قدم پہ چل رہی ہے۔"

سوال بظاہر بہت سادہ سا تھا۔
"جی بالکل..... " وہ ویکسین ڈرپ میں ڈالتے ہوئے مسکرایا۔
"اللہ نہ کرے....." دل میں فوراً کہا۔
"تمہارا آئیڈیل کون ہے بیٹا!" نجانے کیوں ثوبانہ شاہ نے یہ سوال پوچھا تھا۔
"ون اینڈ اونلی میری پیاری ماں۔ بہت بہادر، بہت مضبوط..... ہر طوفان سے ٹکرا جانے والی۔"
"اچھا....." وہ استہزائیہ انداز میں بولیں۔
"جب آپ ان سے ملیں گی تو دیکھیے گا کہ وہ کیسے سب کو اندر تک جان لینے کے ہنر سے واقف ہیں۔ شی از سونائس۔" اس کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔
"اوئی اللہ۔" ان کے لبوں سے سسکی نکلی۔
"بہت درد ہوا ہے کیا۔" اس نے ہلکے سے ان کا بازو ملتے ہوئے پوچھا۔
"بہت....." ثوبانہ شکر ادا کیا کہ انجکشن نے بھرم رکھ لیا تھا۔
"اب ٹھیک ہیں....." اس نے پوچھا تو وہ مسکرا دیں۔
صبح لائبہ آئیں تو ہسپتال کے بیڈ پہ پڑی پیلی رنگت اور ویران آنکھیں دیکھ کے رو پڑیں۔
"ثوبانہ! کیا ملا تمہیں محبت کر کے.....؟" ان کا سوال غیر متوقع تھا۔ ثوبانہ شاہ کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔
"کتنا روکا تھا تمہیں سب نے..... سب کچھ اس درد کے بدلے لٹایا تھا۔"
"آپی! جو اس نے کیا وہ اس کی محبت..... اور جو میں نے کیا وہ میری محبت تھی۔"
"اللہ یقیناً تمہیں تمہارے صبر کا بدلہ دے گا۔"
"آپی! اس دن شبیر کے ہاتھ وہی تصویر لگ گئی تھی۔ وہ مجھ سے جاننا چاہ رہا تھا کہ وہ کون ہیں۔ میں نہ زمین پہ رہی تھی اور نہ آسمان پہ۔"
"کتنی دفعہ تمہیں کہا ہے اسے ضائع کر دو۔ کس لیے سنبھال کے رکھی ہوئی ہے۔" انہوں نے ہلکے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔
"نجانے کیوں اتنا اہم ثبوت ضائع کر کے مجھے لگتا ہے کہ میں اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کروں گی۔"
"اچھا تم پریشان نہ ہو..... اللہ بہتر کرے گا۔" انہوں نے حوصلہ دیا۔
وہ تو بہن کی باتوں پہ سنبھل گئی تھیں مگر دروازے پہ کھڑے شبیر کی الجھنیں مزید بڑھ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"خان لالا! ہمیں پہلے زیاد کی بات تو پکی کرنے دیں۔" عمر خان، جبار خان سے کہنے لگے جو آنے والے جمعہ پہ ربیط اور لالئی کا نکاح کروانا چاہ رہے تھے۔
"عمر خان! میں اب تھکنے لگا ہوں۔ اب دل چاہتا ہے کہ میری حویلی آباد ہو۔ اب تو مرجانہ نے بھی ہنسنا چھوڑ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ لالئی آجائے تو شاید اس کا دل بھی بہل جائے۔ وہ زندگی کی طرف لوٹ آئے۔" عمر خان نے پہلی دفعہ جبار خان کو مایوس دیکھا تھا۔
"خان لالا! میں مرجانہ کا مجرم خود کو گردانتا ہوں۔ کاش! زیاد میری کہانی نہ دہراتا۔"
"مرجانہ کی یک طرفہ سوچوں پہ کوئی قصوروار نہیں ہے اور نہ ہی تمہاری کہانی دہرائی گئی ہے۔ تمہاری فاطمہ بی بی سے باقاعدہ منگنی ہو چکی تھی۔ جبکہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔" انہوں نے عمر خان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
"چلیں! جیسے آپ کی مرضی، مجھے منظور ہے۔" عمر خان نے کہا۔
"تو پھر آج جمعہ ہے اور آنے والے جمعے کو ہم دونوں بچوں کا نکاح کر دیتے ہیں۔" جبار خان نے پروگرام بتایا۔
"اس دوران تم زیاد کے سلسلے کو بھی آگے بڑھاؤ۔"
"ٹھیک ہے لالا..... میں گھر میں بات کر لیتا ہوں۔" عمر خان جبار، خان کو گاڑی تک چھوڑنے آئے تو

ہمیشہ کی طرح انہوں نے عمر خان کو گلے لگا کے اپنی محبت کا احساس دلایا۔

واپس آئے تو فاطمہ بی بی کے کمرے پہ دستک دی۔

"خان آپ..... آئیں۔" وہ ایک طرف ہو کے بولیں۔

"فاطمہ! ایک کپ چائے پلوادیں۔" وہ بیٹھتے ہوئے بولے تو انہوں نے ملازمہ کو دو کپ چائے لانے کا کہا اور ان کے سامنے والے صوفے پہ آکے بیٹھ گئیں۔

"فاطمہ! خان لالا چاہ رہے ہیں کہ آنے والے جمعے کو بچوں کے نکاح کا فرض ادا ہو جائے۔" انہوں نے بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں۔" ملازمہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے انہوں نے فاطمہ بی بی کو گہری سوچ میں گم دیکھ کے پوچھا۔

"مجھے آرشین بھابھی اس رشتے پہ زیادہ خوش نظر نہیں آتیں۔" ملازمہ کے جانے کے بعد وہ بولیں۔

"اچھا....."

"ظاہر ہے خان! وہ مرجانہ کے ساتھ ہونے والے حادثے کا ذمہ دار ہمیں ہی سمجھ رہی ہیں۔"

"یہ سب تو قسمت کی بات ہے..... ہم اس میں بے بس ہیں۔ اللہ اس کے لیے بھی بہتر کرے گا۔ وہ بھی ہمارا خون ہے' ہمیں اس کی اس حالت کا افسوس ہے۔" انہوں نے دعا کی۔

"خان! آپ اپنی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار کہاں تک مجھے سمجھتے ہیں؟"

عمر خان کے لیے انتہائی غیر متوقع سوال تھا۔ وہ حیرت سے فاطمہ بی بی کے جھکے چہرے کو دیکھے گئے۔

"جہاں تک آپ مجھے اپنی زندگی کی بربادی کا ذمہ دار سمجھتی ہیں۔" عمر خان نے جواب میں جلتا ہوا تیر فاطمہ بی بی کے کلیجے میں مارا تھا۔

"خان! آپ زیادتی کر رہے ہیں۔ آپ ایک دفعہ پھر میرے ساتھ ناانصافی کر رہے ہیں۔"

"کس نے کس کے ساتھ زیادتی کی ہے' اس بات کو چھوڑو۔ مت پڑو اس حساب کتاب میں۔" وہ ہلکے سے چیخ اٹھے۔

"خان! آپ کا دامن اگر صاف ہے تو اس لیے کہ میں نے آپ کی ہر زیادتی کو معاف کیا ہے۔ آپ اگر آج بھی مجھے قصور وار سمجھتے ہیں تو میں ہاتھ جوڑ کے آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ آپ نے تو زیاد کو خوشیاں دے کے کفارہ ادا کر دیا ہے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئیں۔

ان کی بات پہ عمر خان کے پورے وجود میں جیسے آگ لگ گئی۔ وہ منہ زور طوفان کی مانند بپھر گئے۔

"ہاں..... میں نے تو کفارہ ادا کر دیا ہے۔ اب آپ کی باری ہے۔ اپنے حساب پہ غور کیا ہے کبھی۔ آپ نے کتنا کفارہ ادا کرنا ہے۔ ایک ایک دن کا..... ہر ہر رات کا..... جب آپ پہ میرا حق تھا اور آپ نے اسے جھٹلایا۔ تم نے میری ساری زندگی رائیگاں کر دی۔ میں تمہارا شوہر ہوں جس کی حق تلفی کرنے پہ تمہیں خدا کو بھی منہ دکھانا ہو گا۔ چھوڑو اس بات کو کہ کس کی کہاں حق تلفی ہوئی اور کس کو کتنا کفارہ ادا کرنا ہے۔ مجھے میری سزا سناؤ۔"

ان کے لہجے کی کاٹ کسی تلوار سے کم نہ تھی۔

"مجھ سے غلطی ہوئی تھی گناہ تو نہیں کہ جس کی سزا ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ آپ نے میری خطا کو میرا ناقابل تلافی گناہ بنا دیا ہے۔ ہاں..... میں بزدل تھا اس لیے تمہارے آگے ہاتھ جوڑ کے معافی مانگ رہا ہوں۔ بہادر ہوتا تو دھڑلے سے تمہیں تم سے چھین کے اپنی زندگی آباد کر لیتا۔" کہتے ہوئے انہوں نے فاطمہ بی بی کو اپنے آہنی ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا۔

"مگر ایک بات یاد رکھنا فاطمہ! ایک ترازو روز قیامت بھی ہو گا' جس کے ایک پلڑے میں میری غلطی اور دوسرے میں تمہاری تمام کوتاہیاں ہوں گی۔ کون گناہ گار ہے اور کون مظلوم..... فیصلہ تب ہو گا۔"

"خا.....ن!" فاطمہ بی بی عمر خان کا یہ روپ دیکھ کے ساکت رہ گئیں۔

"کاش! میں بھی روایتی پٹھانوں کی طرح اپنی انا اور خودداری کو سینے پہ میڈل کی طرح سجا لیتا..... بار بار

تمہاری طرف یہ سوچ کے نہ بڑھتا کہ خدا تمہیں میرے حق میں بخش دے۔" کہتے ہوئے انہوں نے فاطمہ بی بی کو جھنجھوڑ ڈالا۔

"بس احساس گناہ اور معافی کے خوف سے آپ میری جانب بڑھے ہیں؟ میں آج بھی وہیں کھڑی ہوں جہاں سے چلی تھی۔" وہ امید کی سیڑھی سے بری طرح گری تھیں۔

"خان! آئندہ میری طرف یہ سوچ کے مت بڑھیے گا کہ میں روز قیامت آپ کا گریبان پکڑوں گی۔ میں نے ہر لمحہ آپ کے لیے صرف دعائیں ہی کی ہیں۔ میرا اور آپ کا کوئی حساب نہیں ہے۔" وہ ہاتھ جوڑ کے بولیں۔

"فاطمہ! آج بہت کھل کے کہتا ہوں کہ اس سے محبت کی مگر تم سے عشق کیا ہے۔ غلطی نہ اس کی تھی اور نہ تمہاری..... تم دونوں میری بزدلی کی بھینٹ چڑھ گئیں..... مجھے تم دونوں کی محبت نے ڈسا ہے۔" اس سے زیادہ اقرار وہ کیا کرتے۔

اس کے بعد عمر خان سے وہاں ٹھہرا نہ گیا اور تیزی سے وہاں سے نکل گئے۔

وہ رات فاطمہ بی بی پھر سو نہ پائیں اور جب صبح لالئی نے بتایا کہ بابا نے آج ناشتا بھی نہیں کیا تو وہ ناشتا لے کر ان کے کمرے میں گئیں۔

لالئی کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ آج عرصہ دراز بعد اس نے اماں کو بابا کے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے دیکھا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خوشی سے دیوانی ہی ہو جاتی۔

وہ ملالئی کو بتانے بھاگی۔

آج اتنے سالوں بعد عمر خان کے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ اس شخص کی قربت کے لیے وہ ترستی رہی تھیں اور اس نے کتنا ذلیل کر کے انہیں اس کمرے سے بے دخل کیا تھا۔ دروازے گواہ تھی جس نے فوراً" ننھی ملالئی کو اٹھایا تھا اور فاطمہ بی بی کو سہارا دے کے اٹھایا تھا۔ ان کے ہونٹوں پہ لگے زخم سے خون کو صاف کیا تھا۔ دروازہ ہلکے سے بجایا جو چرمرا کے کھل گیا جیسے ان کی آمد کا ہی منتظر ہو۔

"اس کمرے سے آج کے بعد ہر تعلق ختم سمجھو۔ یہ کچھ سال جو میں نے مجبوری میں تمہیں ساتھ رکھا' انہیں خیرات سمجھ کے جھولی میں ڈال لو۔ مجبوری تھی کہ تم جیسی سے اولاد بابا جان کی خواہش تھی۔ اسی لیے بنا مول تول کے تمہیں بازار سے اٹھا لایا تھا کہ تمہارے بھائی بازار میں تمہیں لیے بیٹھے تھے۔ ان چاہے کھلونے سے کچھ دن ہی کھیلا جاتا ہے۔ اب اس کمرے میں قدم رکھا تو ذلالت اور بے غیرتی کی حد ہو گی اور میں سمجھ جاؤں گا کہ تمہیں خود پہ اتنا بھی....."

آگے عمر خان نے ہر وہ نازیبا بات کہی جو وہ کہہ سکتے تھے۔ ماضی پھر آن کھڑا ہوا۔

اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو وہ یقیناً" اس لمحے کر ڈالتیں۔ زمین پھٹنے کی دعائیں مانگتی رہیں۔ روتی اور تڑپتی رہیں۔

جب ماضی کی تصویر ذہن کے پردے پہ آن جمی تو ایسا طوفان اٹھا کہ چکرا کے گریں۔

گرنے کی آواز پہ عمر خان بھی بھاگ کے باہر آئے۔

"فاطمہ....." وہ بری طرح گھبرا گئے۔

عمر خان کے کمرے میں وہ پہلے بھی لاش کی مانند ہی آئی تھیں۔ اب بھی بے ہوشی کی ہی حالت میں وہاں تک آئی تھیں۔

ان کا بی پی کافی ہائی ہو گیا ہے۔ وقتی طور پہ نیند کا انجکشن لگا دیا گیا تھا۔

"کیا جادوگرنی ہو فاطمہ بی بی! مجھے اپنے سحر میں ایسا جکڑا ہے کہ میں ثوبانہ کے جدائی کے صدمے کو بھی بھول گیا ہوں۔ اب تو تمہاری تکلیف پہ اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔"

"بابا! اماں بالکل ٹھیک ہیں۔" لالئی کی آواز نے انہیں خیالوں سے چونکا دیا۔

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

لینی جدون

عشق دعا سے

عمر خان اپنی قبائلی روایت سے ہٹ کر شہر میں رہنے والی ثوبانہ شاہ سے شادی کر لیتے ہیں مگر جرگے کے فیصلے کے مطابق انہیں ثوبانہ کو چھوڑنا پڑا اور فاطمہ بی بی زبردستی ان کے نکاح میں دی گئیں۔ فاطمہ بی بی سے عمر خان کے تین بچے زیاد خان ملائکہ اور لائبہ ہوئے۔ جبکہ ثوبانہ سے بھی ان کے دو بیٹے تھے، جو علیحدگی کے بعد ہوئے۔ عمر خان ان سے لاعلم تھے۔ ایک طویل عرصے بعد فاطمہ بی بی کی خدمتوں سے متاثر ہو کر عمر خان کے دل میں ان کے لیے محبت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔

ربیط خان، عمر خان کے بڑے بھائی جبار خان کا بیٹا ہے۔ ملائکہ اور ربیط ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ ربیط کی بہن مرجانہ، زیاد خان کو پسند کرتی ہے، مگر ڈاکٹر زیاد خان ساریہ کو پسند کرتا ہے۔ یہ بات ربیط خان جانتا ہے جب مرجانہ کو پتا چلتا ہے کہ زیاد خان ڈاکٹر ساریہ کو چاہتا ہے تو وہ روتی ہوئی جاتی ہے اور ٹیبل سے ٹکرا جاتی ہے جس پر رکھے کرسٹل کے گل دان سے اس کا چہرہ زخمی ہو جاتا ہے اور زخموں کے نشان اس کے چہرے کو بدصورت بنا دیتے ہیں۔

ثوبانہ کے دو جڑواں بیٹے شبیر اور فیض ہیں۔ فیض اپنی یونیورسٹی فیلو شمیلا کو پسند کرتا ہے۔ ڈاکٹر ساریہ، ثوبانہ کی بہن لائبہ واحدی کی بیٹی ہے۔

دلاور خان، فاطمہ بی بی کے بھائی ہیں۔ ان کی سازش سے ثوبانہ، عمر خان سے جدا ہوئی تھیں، عمر خان ان سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ دلاور خان بے اولاد ہیں۔

مکمل ناول

۲- دوسری اور آخری قسط

"ان کے بچے ان کے درمیان موجود فاصلوں کو کم کرنے میں جتے تھے۔ لالئی تو ہر پل ہی بے چین رہتی تھی۔ زیاد خان دونوں کے چہروں کو پڑھتا رہتا تھا اور لالئی تو تھی ہی دیوانی۔ کتنے یقین سے کہتی بابا میں جانتی ہوں کہ آپ دونوں ہیر رانجھا ہیں۔

"ماں باپ تو ہمیشہ ہی اولاد کی تکلیفیں سہتے ہیں مگر ہماری اولاد ہماری تکلیفیں سہہ رہی ہے۔ بس اب میں اپنے بچوں کو مزید رونے نہیں دوں گا۔" عمر خان دھڑلے سے اٹھے اور فاطمہ بی بی کی طرف آگئے جو دوا لینے سے انکاری تھیں۔

"مجھے دو لالئی!" انہوں نے دوائیں لالئی کے ہاتھ سے لے لیں۔ وہ باہر نکل گئی۔

"فاطمہ! بس اب اور ضد نہیں چلے گی۔ یہ دوا کھاؤ۔" وہ پانی والا گلاس بڑھاتے ہوئے بولے۔

"مجھے گولیاں کھا کھا کے زندگی کی طرف نہیں بھاگنا۔" وہ منہ پھیر کے بولیں۔

"تم زندگی کی طرف نہیں بلکہ مجھ سے بھاگ رہی ہو فاطمہ..... اور میں تمہیں اب بھاگنے نہیں دوں گا۔ اب ہمیں اپنے بچوں کے چہرے پہ خوشی کے رنگ سجانے ہیں۔"

"خان! کیا یہ محض اتفاق ہے یا....." فاطمہ بی بی نے گھڑیال کی رکی ہوئی سوئیوں اور کلینڈر پہ رکے ہوئے دن اور تاریخ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا جو اسی وقت دن اور تاریخ پہ رکی تھی جب فاطمہ بی بی کو اس کمرے سے بے دخل کیا گیا تھا۔

"وہ میں نے یہ اسی دن روک دی تھیں۔ میں حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہا تھا ورنہ میرا تو دل بھی تب ہی رک گیا تھا۔ مجھے ہارنا منظور نہ تھا اس لیے لڑتا رہا مگر جب تھک گیا تو یوں گرا کہ اب تک سنبھل نہیں پایا۔" وہ اب اعتراف محبت کر رہے تھے، جب عمر بیت چلی تھی۔

"خان! ہم دونوں ہی حقیقت سے بھاگتے رہے، مگر مجھے اب کوئی شکوہ نہیں۔"

اس سے پہلے کہ وہ فاطمہ بی بی کی بات کا جواب دیتے عمر خان کے موبائل پہ گھنٹی بجنے لگی۔

"ایک منٹ....." کہہ کے انہوں نے یس کا بٹن دبایا۔

"ہیلو..... جی کون؟"

"آپ..... مگر کیوں؟"

"مسئلہ تو کوئی نہیں لیکن مجھے بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"یہ..... آپ کیا کہہ رہی ہیں..... میں آ..... رہا ہوں۔" ان کی آواز لڑکھڑانے لگی۔

"کس کا فون تھا۔" فاطمہ بی بی نے عمر خان کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ کے پوچھا۔

"ہوں..... میرے ایک دوست کا تھا....." وہ پھٹی پھٹی نظروں سے فاطمہ بی بی کے چہرے کا محاصرہ کرتے ہوئے بولے۔ لیکن پھر ان کے چہرے پہ صرف گہری سوچ اور پریشانی ہی نظر آئی۔ خدشات اس وقت یقین میں بدل گئے جب عمر خان نے یہ کہہ کے ساریہ کے گھر جانے سے روک دیا کہ ابھی وہ کسی اور معاملے میں الجھے ہوئے ہیں۔ اس لیے دو چار دن رک جائیں۔

"لیکن کیوں خان....." وہ سمجھ نہ پائیں موسم کی مانند بدلتے عمر خان کے رویے کو۔

"فاطمہ..... ایک درخواست ہے تم سے۔" وہ کھوئے ہوئے فاطمہ بی بی کی طرف مڑے۔

"مجھے لگتا ہے مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت پڑے گی۔" "پلیز میرا ہاتھ تھام لینا۔"

"خان! مسئلہ کیا ہے....." وہ عمر خان کی حالت کے پیش نظر اتنا تو جان ہی گئی تھیں کہ وہ کمزور اگر ہو رہے تھے تو وہ کوئی عام بات نہیں تھی۔ انہوں نے زندگی کے ہر معاملے کو بہت مضبوطی سے سنبھالا تھا۔ ہاں اگر کمزور پڑے تھے تو فاطمہ بی بی کے لیے۔

"فاطمہ! بنا پوچھے، بنا جاننے کی تمنا کیے مجھے اپنی دعاؤں کی ردا نہیں دے سکتی ہو..... بس اتنا جان لینا کہ آج عمر خان کو دہکتے انگاروں پہ چلنا ہے۔"

وہ چپ ہو گئیں۔ اگلی صبح وہ اپنے دوست سے ملنے کا کہہ کے چلے گئے۔ بہت سے واہمے، بہت سی الجھنیں اور سوالات فاطمہ بی بی کے ذہن میں چھوڑ کے۔ الجھا ہوا ریشم تھا جس کا کوئی سرا ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ایکسکوزمی فیض..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" عائلہ کی آواز پہ فیض پلٹا۔

"جی۔"

"فیض! آپ کی باتوں کی وجہ سے شمائلہ کافی ڈسٹرب ہو گئی ہے۔ پلیز ایک ریکوئسٹ ہے کہ آپ اس کی طرف سے کوئی امید نہ لگائیں۔ وہ جس بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی ہے اگر کسی کو اس بات کی بھنک بھی پڑ گئی تو اس کے لیے پرابلم ہو جائے گی۔" عائلہ نے کہا تو فیض نے انتہائی سنجیدگی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ خود کہاں ہے..... کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں۔"

"نہیں۔ وہ ایک دفعہ بھی بات کرنے کے حق میں نہیں ہے۔" عائلہ نے اس کا پیغام من و عن بیان کر دیا۔

فیض کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا۔ اسے کافی امید سی ہو چلی تھی۔ شبیر نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبا کے حوصلہ دیا۔

"اوکے مس! آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ آپ اپنی دوست کو بتا دیجیے گا۔" شبیر نے کہا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے فیض!" عائلہ کے جانے کے بعد شبیر اس پہ پھٹ پڑا۔

"جوگی بن جاؤ۔ اس کے قدموں میں بیٹھ جاؤ۔ بھیک مانگو محبت کی۔"

وہ خاموش رہا۔

"کب ملے تھے تم اس سے اور تم نے اس بات کو مجھ سے بھی راز رکھا؟" شبیر کے لہجے میں واضح ناراضی تھی۔

"ایک دفعہ ملا ہوں اور....." وہ بتا کے رکا۔

"اور محبت ہو جانے کی خوش خبری سنا ڈالی۔" وہ تنک کے بولا۔

"یار شبیر! میں نے اس کے معاملے میں خود کو بے بس پایا ہے۔" وہ جھٹلا نہ سکا۔

"تو پھر اب کیا کرو گے۔" شبیر نے پوچھا۔

"ملوں گا پھر....." اس کے ارادے پختہ تھے۔

"فیض دیکھنا..... کہیں اس کے لیے بھی پرابلمز نہ ہو جائیں۔ لڑکیوں کے لیے اور اس قسم کے مسائل اور وہ بھی روایتی گھرانوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کے لیے، بہت مسئلے بن جاتے ہیں۔ پوری زندگی داؤ پہ لگ جاتی ہے۔" شبیر نے سمجھایا۔

"تم مجھے ایک دفعہ اس سے ملنے دو۔ پھر دیکھتا ہوں کہ کیا آپشنز ہو سکتے ہیں۔" فیض بظاہر نارمل بن رہا تھا لیکن اندر سے، بہت پریشان ہو گیا تھا۔

شبیر کے روکنے کے باوجود وہ خود کو اس کی طرف مڑنے سے روک نہ پایا اور دوبارہ اس کی طرف آگیا۔

"آپ....." اسے دیکھ کے شمائلہ کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"شمائلہ..... پلیز مجھے آزما لو۔"

"فیض پلیز! مجھے تنگ نہ کریں۔ میرے پاس آپ کے سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" وہ منہ پھیر کے بولی۔ "آپ کی وجہ سے میری راہیں بہت دشوار ہو جائیں گی۔"

"محبت ہو تو کانٹے پھول بن جاتے ہیں شمائلہ! پلیز تم ایک دفعہ مجھے آزما لو۔ جیسے مرضی آزما لو....."

"بات آزمانے کی نہیں..... فیض آپ یقیناً بہت اچھے ہیں لیکن میری پرابلمز کچھ اور ہیں۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"میں سب پرابلمز سے نمٹ لوں گا۔ تم ایک دفعہ

اذن سفر تو دو۔ میرے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ تو دو۔" اس وقت فیض کی ایک ہی ضد تھی کہ اسے شائلہ عمر خان چاہیے تھی۔

"سوری فیض۔۔۔" وہ کہہ کے آگے بڑھنے لگی تو وہ تڑپ کے اس کے سامنے آیا۔

"شائلہ کیوں کر رہی ہو تم میرے ساتھ ایسا۔۔۔ کیا تمہاری آنکھیں جھوٹ بول رہی ہیں۔ میری محبت گناہ ہے کیا جس کی تم مجھے سزا دینا چاہ رہی ہو۔" وہ اس کی بے رخی پہ تپ گیا۔

"فیض! میں آپ کی یک طرفہ محبت کے لیے جواب دہ نہیں ہوں۔" وہ اس کے مضبوط مردانہ سراپے اور بے پناہ کشش کی حامل شخصیت سے نظریں چراتے ہوئے بولی کہ کہیں اس کی آنکھوں کی گہرائی میں ڈوب ہی نہ جائے۔ اس کی نرم آواز کا سحر ہی نہ چل جائے۔

"میری آنکھوں میں دیکھ کے صرف ایک دفعہ کہہ دو کہ میری محبت یکطرفہ ہے۔"

"کچھ بھی نہیں کہوں گی۔ میں اپنی کسی بات کے لیے کسی کو جواب دہ نہیں ہوں۔" اس نے کہا اور قدم بڑھا لیے۔

فیض کتنی دیر دیکھتا رہا کہ شاید ستم گر تیر چلا کے پچھتا رہا ہو۔ شاید اسے اپنے جملوں کی کاٹ کا احساس ہو جائے۔ ہو سکتا ہے سچے جذبوں کی طاقت اس کے قدم موڑ دے۔ مگر وہ بنا رکے وہاں سے چلی گئی کہ کیا معلوم اس کی آنکھ سے گرنے والے آنسو اس کا بھرم ہی نہ توڑ دیں۔

"اب کیوں رو رہی ہو۔۔۔" نجانے کب عائلہ اس کے سنگ ہو گئی۔

"عائلہ۔۔۔" اس کی آواز میں کھو دینے کا واضح دکھ بول رہا تھا۔

"کیا تم اپنے بابا اور قبیلے والوں کی وجہ سے انکار کر رہی ہو۔" عائلہ نے پوچھا تو جواب اس کی توقع کے بالکل خلاف تھا۔

"نہیں، بابا سے منوانا مجھے آتا ہے۔" وہ بھرپور یقین سے بولی۔

"تو۔۔۔ پھر کیا وجہ ہے۔۔۔ کیا تمہیں اس سے محبت نہیں ہے؟ کیا تمہاری آنکھیں جھوٹ بولتی ہیں جن میں صرف اور صرف فیض ہی نظر آتا ہے۔" عائلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کسی بات سے انکار نہیں ہے۔ سب سچ ہے۔ میری آنکھیں جھوٹ نہیں بولتیں۔ وہ میری دل کی دھڑکنوں میں ہے۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ کوئی طاقت ایسی ہے جو مجھے اس کی جانب جانے سے روک رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ مجھے کسی غار میں لے جا کر بند کر دے گا۔ مجھے لگتا ہے عائلہ جیسے میں قید ہو جاؤں گی۔۔۔ پتھر ہو جاؤں گی۔" وہ اپنی ہرنی جیسی خوب صورت آنکھوں کو ادھر ادھر گھماتے ہوئے خوفزدہ انداز میں بولی تو عائلہ کا قہقہہ دور تک بکھر گیا۔

"عائلہ! میں تمہیں لفظوں میں اپنی کیفیت بیان نہیں کر سکتی کہ جب میں اس کے متعلق سوچتی ہوں تو خود کو کسی قید میں پاتی ہوں۔ ایک غیبی طاقت مجھے روکتی ہے۔" وہ خوف سے آنکھیں میچتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں تم کیوں اتنے اچھے انسان کے متعلق ایسا سوچتی ہو حالانکہ وہ تو صرف چاہے جانے کے قابل ہے اور اب تو سنا ہے کہ پریذیڈنٹ کے الیکشن میں بھی نامزد ہوا ہے اور جیت بھی لے گا الیکشن اور تمہیں بھی۔۔۔" آخری الفاظ اس نے دھیرے سے بولے مگر شائلہ نے سن لیے۔ وہ اسے بس دیکھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"زیاد! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ سب اتنے آرام سے ہو جائے گا۔" ساریہ نے جب سنا کہ وہ لوگ ایک دو دنوں تک آئیں گے تو بے یقینی سے بولی۔ زیاد خود بھی مسکرا دیا۔ اسے خود کب یقین تھا کہ وہ زندگی کی سب سے بڑی خوشی اتنے آرام سے حاصل کر لے گا۔

"اچھا ساریہ! ایک چیز اور کہ میں اماں بابا سے پہلے خود تمہاری فیملی سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ کچھ معاملات کلیئر ہو جائیں۔" اس نے کہا تو ساریہ الجھن میں پڑ گئی۔

"کون سے معاملات زیاد!"

"ساریہ! تم جانتی ہو کہ ہمارے اور تمہارے لائف اسٹائل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ میں تمہارے گھر والوں کو ہر چیز کھل کے پہلے ہی بتانا چاہتا ہوں۔"

"مثلاً۔۔۔"

"مثلاً" یہ کہ شادی کے بعد تمہیں وہاں گاؤں میں رہنا ہو گا۔ وہاں کے رسم و رواج کے مطابق خود کو ایڈجسٹ کرنا ہو گا۔" اس نے کہا تو ساریہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

"لیکن زیاد پہلے آپ نے یہ بات نہیں کی تھی۔"

"اس میں بات کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ کیا شادی کے بعد سب لڑکیاں سسرال رخصت ہو کے نہیں جاتیں؟" وہ اس کے چہرے پہ پریشانی دیکھ کے بولا۔

"اور میری جاب۔۔۔"

"جاب کا فیصلہ حالات کے مطابق ہی ہو گا۔"

"کیا یہ شرط آپ کے گھر والوں نے رکھی ہے۔" ساریہ کا اس انداز سے پوچھنا غضب ہو گیا۔

"واٹ ڈو یو مین بائے میرے گھر والے۔۔۔ ساریہ! یہ کس انداز سے بات کی ہے تم نے میرے گھر والوں کے بارے میں۔ ایک بات یاد رکھنا! میری فیملی مجھے بے انتہا عزیز ہے۔ ان کے بارے میں کبھی بھی انسلٹنگ زبان برداشت نہیں کروں گا۔ اور نہ ہی ایسا سوچنا۔۔۔ ہم پٹھان لوگ بہت سیدھی اور سچی کرتے ہیں۔ انہوں نے تو میری پسند پہ ایک بھی اعتراض نہیں اٹھایا۔ میری پسند کو دل سے قبول کیا ہے۔ جا کے ذرا میری اماں کی زبان پہ اپنے لیے دعائیں دیکھنا۔۔۔ بابا کی محبت تم نے محسوس کر لی ہو گی۔۔۔ میری بہنوں کے لبوں پہ بھابھی کہتے ہوئے جو مٹھاس گھل جاتی ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"سوری زیاد! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔۔۔" وہ شرمندہ ہو گئی۔

"ساریہ! مجھے میری چھوٹی سی جنت بہت عزیز ہے۔ میرے اماں اور بابا سے میری سانسیں جڑی ہیں۔ ملائی اور لالئی دونوں میری جان ہیں۔ پلیز میرے رشتوں کو اپنا سمجھ لینا۔ میں پہلے ہی انہیں بہت ہرٹ کر چکا ہوں۔" وہ جلدی میں وہ بھی بول گیا جو نہیں بولنا تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیسے ہرٹ ہوئے وہ۔" ساریہ نے اس کے چہرے کا محاصرہ کرتے ہوئے کہا کہ شاید اس سمندر سے گہرے شخص کی باتوں کی کوئی جھلک اس کے اندر کا احوال بتا سکے۔

"چھوڑو یہ بتاؤ، خالہ جانی کا کیا حال ہے۔" اس نے موضوع بدلا۔

"ماشاء اللہ کافی بہتر ہیں۔ بی پی ذرا کنٹرول سے باہر ہو جاتا ہے۔"

"خالہ جان کے ساتھ پرابلم کیا ہے ساریہ۔۔۔ ان کے چہرے پہ اداسی بتاتی ہے کہ جیسے انہوں نے بہت تکلیف میں زندگی گزاری ہے۔" زیاد خان، ثوبانہ شاہ کا چہرہ تصور میں لاتے ہوئے بولا۔

"دراصل خالہ جانی نے لو میرج کی تھی گھر والوں سے بغاوت کر کے۔۔۔ اس شخص نے بھی بے وفائی کی اور انہیں چھوڑ دیا۔ واپس آئیں تو نانا جان اور نانو نے بھی قبول نہیں کیا۔ وہ پھر بے آسرا خواتین کے ادارے میں رہیں۔ وہیں فیض اور شبیر پیدا ہوئے اور پانچ سال رہے۔ اس دوران نانا جان اور نانو کی ڈیتھ ہو گئی۔ ماما انہیں ڈھونڈتی رہیں۔ بالآخر وہ مل گئیں مگر اس کے بعد اداسی نے ان کا دامن نہیں چھوڑا۔"

"او۔۔۔ سو سیڈ۔" زیاد کو سن کر واقعی دکھ ہوا۔

"پتا ہے وہ دونوں یہی سمجھتے ہیں کہ ان کے والد کی ڈیتھ ہو چکی ہے جبکہ وہ زندہ ہیں۔" ساریہ نے مزید بتایا۔

اس نے موضوع بدلا۔ ساریہ اداس ہونے لگی تھی۔

"اچھا چلو، آج تمہارے پاپا سے مل کے بات کر لوں۔"

"کیا بات۔۔۔؟"

"میں ان سے کہوں گا کہ یہ ساریہ وقار تو ایسی ہی ہے۔ فضول میں آپ کے گھر پڑی ہے اُسے مجھے دے دیں۔" ساریہ نے بہتر یہی جانا کہ وہ وہاں سے اٹھ ہی جائے۔ وہ پکار تا رہ گیا۔

وہ آواز ملک الموت کی نہیں تھی مگر انہیں مار گئی تھی۔

"میں ثوبانہ عمر خان کی بہن بات کر رہی ہوں۔۔۔"

"وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔۔۔ آپ آئیں گے نا؟"

اس وقت ان کا ذہن بالکل ماؤف تھا۔

کوئی لفظ دوسرے سے نہیں مل رہا تھا کہ وہ مطلب اخذ کر سکتے۔

اتنے سالوں بعد یہ آواز کہاں سے آئی تھی۔

اس نے نمبر کہاں سے لیا تھا۔

اگر ان کا دماغ کام کرتا تو وہ یقیناً یہ سارے سوال ڈھونڈتے اور ان کا جواب ڈھونڈنے کا تردد کرتے مگر وہ گم ہو گئے تھے۔

مطلوبہ مقام پہ پہنچے تو سامنے لائبہ واحدی کو دیکھ کے گھبرا گئے۔

چند لمحوں کے لیے سب جھوٹ سا لگا۔

"مجھے یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔" وہ بولیں تو عمر خان جیسے نیند سے جاگے۔

"آپ۔۔۔"

"جی میں۔ میں نے ہی آپ کو فون کیا تھا۔ گھر میں بات کرنی مشکل تھی' اس لیے یہاں زحمت دی ہے۔"

"مگر آپ تو۔۔۔" سوال کرتے کرتے رک گئے۔

"ایک بیٹی کا فیصلہ ہونے سے پہلے دوسری کا فیصلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیے آپ کو بلایا ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔" وہ الجھے۔

"ثوبانہ اس کمرے میں آپ کا انتظار کر رہی ہے۔" لائبہ واحدی نے دائیں جانب والے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

عمر خان کی ٹانگیں ان کا سامنا کرنے سے پہلے ہی جواب دینے لگیں۔ بمشکل اس کمرے میں داخل ہوئے۔

ثوبانہ کا سر جھکا تھا۔ کتنا وقت خاموشی میں گزر گیا۔

"ثوبانہ۔۔۔" عمر خان نے تڑپ کے ان کا بے جان ہاتھ تھاما۔

"ثوبانہ! سر تو صرف ایک ہی بندے کا جھکا ہونا چاہیے اور وہ جھکا ہے۔"

"تم نے کبھی یہ دعا نہیں مانگی تھی عمر! کہ میرا دوبارہ تم سے سامنا ہو۔" ثوبانہ نے تلخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور میں نے ہر لمحہ تم سے ملنے کی دعائیں مانگیں تاکہ تم سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگ سکوں۔۔۔ میں نے تمہیں بہت ڈھونڈا تھا ثوبانہ!"

"اور جب مجھ سے مایوس ہوئے تو اس کی گود میں سر رکھ لیا جس نے ہمیں جدا کیا تھا۔ کیا خوب محبت نبھائی ہے تم نے۔۔۔ آج ترازو لے کے آؤ اور دیکھو کس کی محبت کا وزن زیادہ ہے۔" وہ رو پڑیں۔

"ثوبانہ۔۔۔" وہ بے بس سے ہو گئے۔

"میں آج بھی نہ ملتی اگر قسمت ایک بار پھر وار نہ کرتی۔ تمہارا بیٹا ساریہ کی خواہش نہ کرتا تو۔"

"ساریہ۔۔۔"

"بھانجی ہے میری۔۔۔ میری بہن لائبہ واحدی کی بیٹی۔۔۔ اور میں اسے آگ میں نہیں جھونک سکتی۔ اپنے بیٹے سے کہو' وہ ساریہ کے راستے سے ہٹ جائے۔" وہ سختی سے بولیں تو عمر خان کے اوپر جیسے کوئی وزنی پہاڑ آن گرا۔

"ثوبانہ! وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت پیار کرتے ہیں۔"

"اس سے بھی زیادہ' جتنا ہم دونوں نے کیا تھا؟" وہ طنزاً بولیں تو عمر خان کی زبان کو چپ لگ گئی۔

"عمر! ہم لوگوں کے لیے بھلے عورت اور مرغابی کا شکار برابر ہو مگر اس بار میں تمہیں آسانی سے تو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔" عمر خان حیرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

"ثوبانہ! کیا ہم اپنی ناکام زندگی کا بدلہ اپنے بچوں سے لیں گے؟"

"بھول ہے تمہاری۔۔۔ میں تم سے بھی بدلہ لوں گی۔۔۔ اس سے بھی لوں گی' جس نے میری زندگی برباد کی۔" اس نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا تو عمر خان کی روح تک کانپ گئی۔

روز حساب تو آنا ہی تھا۔

"میں نے اتنے سال اپنے حوصلے جمع ہی اس لیے کیے ہیں کہ تمہاری ہر سزا سہہ سکوں۔ لیکن بچوں کو ان کی خوشیوں سے محروم نہ کرو۔" عمر خان نے کہہ کر ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"عمر! تم آج بھی اتنے ہی بزدل ہو جتنے پہلے تھے۔ یقیناً" تمہارا بیٹا بھی ویسا ہی ہو گا۔ وہ کیا ساریہ کو تحفظ دے گا۔ تم لوگ تو وقت پڑنے پہ اپنی عزتوں کی بھی نیلامی کرنے پہ تیار ہو جاتے ہو۔ کیا پتا کل کو زیاد بھی ساریہ کا یہی حال کر ڈالے۔" ثوبانہ کی زبان پہ نشتر تھے اور عمر خان کو سننے تھے کہ انہوں نے کھاؤ بھی تو ان سے ہی کھایا تھا۔ اتنے سالوں کا غبار تھا جو لاوے کی طرح اندر ہی اندر پک رہا تھا اسے باہر تو آنا ہی تھا۔

"تم مجھے جو بھی سزا سناؤ گی مجھے منظور۔۔۔ لیکن میرے بیٹے کو سزا صرف زیاد کے لیے نہیں ہو گی بلکہ ساریہ۔۔۔ تمہاری بھانجی بھی تو دکھی ہو جائے گی۔ اپنے اور میرے حساب کتاب سے انہیں دور رکھو ثوبانہ!" عمر خان نے التجا کی۔

"نہیں عمر! میں اپنی بچی کو تکلیف نہیں دے سکتی۔"

"تم مجھے بھی تکلیف نہیں دے سکتیں ثوبانہ۔۔۔! تمہاری آواز کی لرزش بتا رہی ہے کہ تمہاری جدائی میں اگر اذیت عمر خان نے جھیلی ہے تو وقت تمہارے دل سے بھی عمر خان کی محبت کو نکال نہیں پایا۔ ظلم صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں ہوا تھا' میرے وجود کو بھی سنگسار کیا گیا تھا۔" عمر خان کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ نے ثوبانہ کو بھی رلا دیا۔

"مجھے معاف کر دو ثوبانہ۔۔۔ میں محبت کر کے نبھا نہیں پایا۔۔۔ میری محبت میری بزدلی کے ہاتھوں ہار گئی۔"

"عمر! میں تو اپنا آشیانہ جلا کے تمہارے سنگ نکلی تھی۔ یہ تو سوچتے کہ میں کہاں جاؤں گی۔"

"میں تو خود پابند سلاسل تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں تو باندھ دیے تھے ان لوگوں نے۔۔۔ مگر خدا جانتا ہے کہ میں نے تمہاری تلاش میں شہر کا کونا کونا چھان مارا تھا۔ مگر نجانے تم کہاں کھو گئی تھیں اور۔۔۔"

اس سے پہلے کہ ثوبانہ کوئی بات کرتیں عمر خان کا موبائل جو سامنے ہی میز پہ پڑا تھا' بجنے لگا۔ فون کرنے والے کا نام واضح طور پہ پڑھا جا سکتا تھا۔

ثوبانہ نے طنزیہ انداز میں عمر خان کی جانب دیکھا۔

"اور جب مجھ سے مایوس ہوئے تو اس کے دامن میں پناہ لی جس نے ٹھوکریں مار مار کے ہم دونوں کو جدا کیا تھا۔ اگر میں غلط نہیں تو یہ اسی کا فون ہے۔" عمر خان نے سر جھکا لیا۔

جونہی عمر خان نے موبائل کا بٹن دبا کے موبائل کو خاموش کرنا چاہا' ثوبانہ نے ان کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔

"بات تو کرو۔۔۔ میں بھی تو دیکھوں کہ عمر خان نے میرے لیے بھی کوئی جگہ چھوڑی ہے یا نہیں۔" اپنی بات کر کے ثوبانہ نے لیس کا بٹن دبا کے موبائل عمر خان کے ہاتھ میں دے دیا۔

"ہیلو۔۔۔" عمر خان کی آواز خود اپنا ساتھ بھی نہیں دے رہی تھی۔

"خان! کہاں ہیں آپ۔۔۔" دوسری طرف سے آنے والی آواز با آسانی ثوبانہ کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔

"ایک دوست کی طرف ہوں۔" بمشکل جواب دیا۔

ثوبانہ کے وجود کو عمر خان کا نرم لہجہ لوہے کی گرم سلاخوں سے داغ رہا تھا۔

انتقام کا ناگ پھن پھیلا رہا تھا۔

"ثوبانہ! فاطمہ بھی تمہاری طرح بے گناہ تھی۔۔۔ اس

کی زندگی بھی کھیل بنی تھی۔" عمر خان نے اس کا دفاع کرنا چاہا۔

"لگتا ہے اس سے بھی محبت ہو گئی ہے۔" عمر خان کے چہرے کا رنگ ایک دم بدلا..... دل سوکھے پتے کی مانند کانپنے لگا۔

"لیکن مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے عمر خان! اب میری باری ہے۔ اس نے اپنا حق وصول کر لیا۔" ثوبانہ کی بات پہ عمر خان نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

"کک..... کیا مطلب۔" عمر خان کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"مطلب یہ کہ تمہیں اسے اسی طرح جرگے میں واپس بھیجنا ہو گا جیسے اس کے بھائی نے مجھے وہاں سے رسوا کر کے بھیجا تھا۔ بولو عمر خان! میری محبت کا اتنا بھرم تو رکھو گے نا۔"

عمر خان کو لگا کہ جیسے ان کے وجود کے کسی نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہوا میں اچھال دیے ہوں۔

"عمر خان! تب کی بزدلی کا تاوان آج دے دو۔ اب میرا اور میرے بچوں کا حق ہے۔ وہ مجھ سے یہ اعزاز چھین نہیں پائی کہ میں اس سے پہلے تمہارے بچوں کی ماں بنی ہوں۔" ان کا کھوکھلا دعوا بہر حال موجود تھا۔

"بچے..... میرے بچے؟"

"ہاں عمر خان! ہمارے دو جڑواں بیٹے ہیں۔ فیض اور شبیر....."

"وہ..... جو دونوں ساریہ کے گھر تھے..... وہ میرے بیٹے تھے؟" آواز پھٹنے لگی۔

"مجھے ان سے ملنا ہے ثوبانہ....." وہ بے قرار ہو گئے۔

"پہلے ان کی ماں کی حیثیت کا تعین تو کرو عمر!"

"میں تمہیں پوری عزت کے ساتھ لے کے جاؤں گا۔ تمہیں تمہارا پورا حق ملے گا ثوبانہ....." عمر خان نے ثوبانہ کو کندھوں سے تھامتے ہوئے جذباتی آواز میں کہا۔

"لیکن میری شرط برقرار ہے..... وہ یا میں..... درمیان کا کوئی راستہ نہیں ہے اور اسی سے ساریہ اور زیاد کا مستقبل بھی مشروط ہے۔ یہ آپ کا فیصلہ بھی ہے۔" ثوبانہ نے فیصلہ سنا دیا۔

"ثوبانہ! ایک دفعہ اس سے مل لو۔ وہ بہت اچھی ہے....." عمر خان کو ایسے لگ رہا تھا کہ ان کی آواز جیسے کسی کنویں سے آ رہی تھی۔

"وہ بہت زیادہ اچھی ہے تو بھی تم سے اپنا حق وصول کر چکی ہے۔" ثوبانہ کے اندر عمر خان کے نرم لہجے سے طوفان اٹھ رہا تھا۔ گویا اس نے عمر خان جیت ہی لیا تھا اور وہ تمام عمر کی آبلہ پائی کے بعد بھی نامراد ہی رہی تھیں۔

"ثوبانہ پلیز! سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"میں نے تمام عمر تمہاری محبت کے نام پہ بے سروسامانی میں گزار دی پھر بھی اس سے ہار گئی۔ جو غاصب بن کے ہماری زندگیوں میں آئی تھی..... عمر! مجھے اپنی شکست تسلیم کر لینی چاہیے۔ میں ہار گئی ہوں۔ وہ ظالم ہو کے بھی جیت گئی ہے۔" وہ منہ چھپا کے بری طرح رو دیں۔

"ثوبانہ! تم غلط سوچ رہی ہو..... ظلم تمہارے ساتھ اگر ہوا ہے تو اس کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ تم نے ساری زندگی جو سزا دور رہ کے گزاری ہے اس نے وہ سزا میرے ساتھ رہ کے جھیلی ہے۔ اسے کبھی میری محبت نہیں ملی۔"

"تو کاٹ پھینکو اس مصنوعی حصہ کو۔ سینے سے لگائے رکھنے کا فائدہ..... کیوں اپنا سایہ بنا کے رکھنا چاہتے ہو۔" وہ چیخ اٹھیں۔

"ثوبانہ کوئی ایک نیکی جو میں نے تمہارے ساتھ کی ہو۔ اس کے بدلے اسے میری حویلی میں رہنے دو۔"

"عمر! تمہارے لہجے کی تڑپ میری ہار کا اعلان ہے..... لیکن میں لڑوں گی اور جو کہا ہے اس پہ جمی رہوں گی۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

وہ کہہ کے تیزی سے نکل گئیں اور وہ پکارتے رہ گئے۔ کتنی ہی دیر بیٹھے رہے، پھر ٹوٹے قدموں سے وہاں سے نکل گئے۔

"کیا پاگل پن ہے۔ کیوں بھاگ رہی ہو مجھ سے۔" فیض پھر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

وہ بنا کچھ بولے بے چارگی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔

"غور سے دیکھ لو۔ انتا بر ابھی نہیں ہوں۔" وہ نظر کرم دیکھ شوخ ہوا۔

"فیض پلیز..... مجھے لوگوں کی معنی خیز نظروں کا سامنا کرنا اچھا نہیں لگتا، کہیں تماشا نہ لگ جائے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"تو پھر کیا کروں میں۔"

"اپنے امی، ابو کو ہمارے گھر بھیج دیں۔ جائز رشتہ ہو تو کردار پہ انگلیاں نہیں اٹھتیں۔ میری یہی ریکویسٹ ہے۔"

وہ کہہ کے اٹھی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

"لوٹ آؤ جناب! محترمہ چلی گئی ہیں۔" شبیر فیض کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا تو وہ چونک گیا۔ شبیر نے دونوں کو ساتھ دیکھ کے ڈھیروں دعائیں مانگ ڈالی تھیں۔ اسے اس کا اور فیض کا ساتھ اچھا لگ رہا تھا۔

"ہاں چلی تو گئی ہے مگر لوٹنے کے لیے۔"

"اب جلد سے جلد جسے دل میں بسایا ہے اس سے گھر بھی بسا لو۔"

"وہ بھی تو یہی کہہ رہی تھی۔" فیض نے جھٹ کہا۔

"اف میں کتنا معصوم سمجھا تھا اسے..... مگر کتنی تیز نکلی، دو ملاقاتوں میں بات شادی تک پہنچا دی ہے اس نے۔" شبیر نے شرارت سے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے شبیر! وہ چاہتی ہے کہ کوئی اس کے کردار پہ انگلی نہ اٹھائے۔ وہ بنا کسی رشتے کے مجھ سے ملنے سے انکاری ہے۔"

"وہ مضبوط کردار کی لڑکی ہے اور ایسی ہی لڑکیاں گھر بناتی ہیں۔" وہ فیض کی پسند پر مطمئن تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں اپنے بچوں کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے لگی ہوں۔" ثوبانہ کو بار بار خیال آ رہا تھا۔

"میں تو تمہیں تب فتح نہیں کر سکی، جب تم میرے پاس اور صرف میرے تھے۔ اب بھلا اپنے بچوں کی لڑائی کیسے جیت پاؤں گی۔ کتنی شان سے اس نے میری محبت کے تاج محل پہ اپنی فتح رقم کر لی۔ میں محبت کی لڑائی میں اپنی ہار تسلیم کرتی ہوں۔

فاطمہ بی بی..... مگر ایک ترپ کا پتا ابھی میرے پاس ہے۔ تم اپنے بیٹے کی محبت کی خاطر آؤ گی میرے پاس اور اس مقام پہ میں تمہیں ضرور شکست دوں گی۔ ماں کبھی نہیں ہارتی۔ تب میں تم سے عمر خان کو چھین لوں گی۔"

ثوبانہ شاہ کی فطری سرکشی عود آئی جو عمر خان سے محبت کے بعد کھو گئی تھی۔ "مجھے وہ وقت نہیں بھولتا جب میں محبت بھرا ہاتھ تھامے عمر خان کے ساتھ وہاں گئی تھی اور تمہارا بھائی تمہیں اور مجھے بازار میں لے گیا تھا۔

کیسے تم سب نے مل کے مجھے اور عمر خان کو جدا کر ڈالا تھا۔

ان منصفوں پہ خدا کا قہر نازل ہو جنہوں نے مجھے رسوا کر ڈالا تھا۔

مجھے اور فاطمہ بی بی کو ترازو میں بٹھایا جائے اور..... اور جس کا وزن زیادہ ہو گا وہی عمر خان کی دلہن ہو گی۔

میں تو پاگل ہو گئی تھی اپنی اس توہین پہ۔ فاطمہ بی بی کے ساتھ اس کا پورا قبیلہ تھا اور میں اور عمر تنہا چلا رہے تھے اس وحشیانہ اور ظالمانہ فیصلے پہ مگر بے سود۔ ہم ہار گئے، فاطمہ بی بی ترازو میں تل گئیں مگر میں نے انکار کر دیا، اور ہم ہار گئے۔

"جدا کر دو۔" فیصلہ سنا دیا گیا۔

وہ بلاشبہ حشر کا ہی میدان تھا۔ منصف بھی تھے۔ ترازو بھی تھا مگر انصاف کہاں تھا۔ ترازو کی حرمت کھو گئی تھی۔ انصاف بے توقیر ہو گیا۔

ثوبانہ کو وہاں سے رات کے اندھیرے میں نامراد لوٹا دیا گیا۔ وہ جو جگنوؤں کی تلاش میں گئی تھی، مقدر میں اندھیرے سجائے لوٹ آئی۔

"کیا میرا کوئی حق نہیں کہ ان ظالموں سے حساب لوں۔ تب تنہا تھی' اب تو نہیں ہوں۔ اب میری طاقت میرے بیٹے ہیں۔ اب میں لڑوں گی۔"

ثوبانہ نے فیصلہ کرلیا کہ وہ جیت کے دکھائیں گی کہ جھکنے اور ڈرنے والوں کو زمانے والے اور دباتے ہیں۔ اب دنیا سے لڑنا ہے۔ ڈر اور خوف کہیں بھاگ گیا۔

☆ ☆ ☆

"خان! ہم نے ساریہ کے گھر والوں سے ملنے جانا تھا' آپ نے کہا تھا۔" فاطمہ بی بی نے چپ چاپ بیٹھے عمر خان کو مخاطب کیا۔ پچھلے تین دنوں سے وہ یوں ہی خاموش خاموش سے تھے۔ ہر کوئی محسوس کر رہا تھا مگر سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"ہوں۔۔۔ ہاں۔۔۔ لائبہ کا نکاح ہوجائے تو پھر چلیں گے۔" انہوں نے ٹالا۔

"ٹھیک ہے' مگر ایک بات تو بتائیں کہ آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟" خان فاطمہ بی بی کے محبت بھرے لہجے میں کھو سے گئے۔ جواب ہی نہ دے پائے۔

لائبہ کے نکاح کے ہنگامے میں سب ان کی خاموشی کو بیٹی سے جدائی کے احساس سے جوڑتے رہے۔ فاطمہ بی بی کی محبت اب تناور درخت بن کے ان کے پورے وجود پہ سایہ کیے ہوئے تھی۔ کیسی آندھی چلی تھی کہ اس درخت کو جڑ سے ہی اکھاڑ دینا چاہ رہی تھی۔

لائبہ کا نکاح بخیریت ہوگیا۔ یہ تو کوئی لائبہ کے دل سے پوچھتا کہ اس پہ کیا بیت رہی تھی۔ خوف سے اس کا دل بند ہو رہا تھا۔ ملائکہ اور مرجانہ دونوں نے مل کے خوب رونق لگا رکھی تھی۔ زیاد خان کو بہن کی خوشی سے بھی زیادہ یہ احساس تسکین دے رہا تھا کہ مرجانہ کے اندر زندگی کا احساس زندہ تھا۔ وہ واپس لوٹ آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ وہ خود سے کہہ کے مسکرا دیا۔

نکاح کے بعد رات وہ اپنے کمرے میں آئی تو دھیان ربیط کی جانب چلا گیا۔ لب مسکرا دیے۔ اسے یقین تھا کہ وہ ربیط خان کو جیت لے گی۔ سب وقت کے ساتھ ٹھیک ہوجائے گا۔

ابھی وہ ان سوچوں میں ہی گم تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اسکرین پر ربیط خان کا نام جگمگا رہا تھا۔ دل دھڑک اٹھا۔

"ہیلو۔۔۔"

"لائبہ۔۔۔ مجھے تم سے ملنا ہے۔" وہ جھٹ بولا۔

"کیا مطلب۔" وہ گھبرا گئی۔ ان کی طرف ایسا کیس ہوا تھا کہ لڑکا اور لڑکی نکاح یا منگنی کے بعد ملاقاتیں کرپائے ہوں۔

"مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"مگر میں سب کو کیا کہوں گی۔" وہ پریشان ہوگئی۔

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ تمہارے پاس صرف تین دن ہیں۔ چھوٹی حویلی میں تمہارا انتظار کروں گا۔" اس نے کہہ کے فون بند کردیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اسی شام فاطمہ بی بی کا بلڈ پریشر ایک دفعہ پھر شوٹ کرگیا۔ وہ پسینے میں نہائی تھیں۔ عمر خان گھبرا گئے۔ فوراً" زیاد خان کا نمبر ملایا۔ وہ بھاگا چلا آیا۔ وہ ڈاکٹر تھا' مگر سامنے اس کی ماں تھی' ہاتھ پاؤں تو پھولنے ہی تھے۔

"بابا! میں اماں کے لیے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لیتا ہوں۔ آپ کل چلیں میرے ساتھ شہر۔" زیاد نے کہا تو انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔ رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا' جب فاطمہ بی بی کی آنکھ کھلی تو عمر خان صوفے پہ بیٹھے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

"خان ابھی تک جاگ رہے ہیں۔ سوئے کیوں نہیں۔" فاطمہ بی بی اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں تو عمر خان ان کے پاس آکے بیڈ پہ بیٹھ گئے۔

"پتا نہیں کیوں نیند نہیں آرہی۔"

"خان بھروسا ہے تو بتادیں کہ وہ فون کس کا تھا۔" فاطمہ بی بی کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"آپ اس فون کو بھول کیوں نہیں جاتیں فاطمہ۔" وہ زچ ہوئے۔

"مجھے لگتا ہے خان کہ اس فون کے بعد آپ ایک دن بھی سکون سے نہیں سوئے۔"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے فاطمہ! تم خود کو پریشان نہ کرو۔" وہ نرمی سے بولے تو فاطمہ خاموش ہوگئیں۔

صبح زیاد خان نے ڈرائیور کو بڑی گاڑی نکالنے کو کہا۔ انہیں اسپتال جانا تھا۔ ملائکہ نے بھی ہاسٹل واپس جانا تھا۔

"بابا! آج ہی ڈاکٹر کے بعد بھابھی کی طرف چلے جائیں نا۔" ملائکہ نے کہا تو عمر خان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"ارے نہیں بھئی! اپنی لاڈلی بہو کے گھر ہم ایسے ہی تو نہیں جائیں گے۔ اس کے گھر تو ہم اہتمام سے جائیں گے۔ باقاعدہ پروگرام کے ساتھ۔" فاطمہ بی بی نے عمر خان کا بھرم رکھ لیا۔ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

لیکن قدرت کو ابھی عمر خان کی آزمائش منظور تھی۔ ملائکہ کو ہاسٹل چھوڑ کے اسپتال آئے تو زیاد خان نے فاطمہ بی بی سے ساریہ کو ملوایا۔

"ماشاء اللہ میری بیٹی تو چاند کا ٹکڑا ہے۔ اللہ میرے بیٹے کا دل اور گھر دونوں اس چاند کے اجالے سے روشن رکھے۔" ساریہ کو خود سے لگا کے کتنی دیر وہ اسے اپنی دعاؤں سے نوازتی رہیں۔

شرم سے ساریہ کا چہرہ جھک گیا۔ "میں نے اپنی بیٹی کو پہلی دفعہ دیکھا ہے۔ یہ میری طرف سے۔۔۔" انہوں نے اپنے ہاتھ کی شہادت انگلی سے انگوٹھی اتار کے ساریہ کی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا' تو وہ جھک گئی۔

"اماں۔۔۔ یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔"

"میں نے اپنے زیاد کی دلہن کو دیا ہے' تمہیں تو نہیں۔" وہ مسکرا کے بولیں تو وہ شرما گئی۔

"اماں! ساریہ کی خالہ جانی اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔ آئیں انہیں دیکھ لیتے ہیں۔ آپ کی ساریہ کی ماما سے بھی ملاقات ہوجائے گی۔"

"خان چلیں؟" فاطمہ بی بی عمر خان کی طرف مڑیں تو وہ کچھ بول نہ پائے۔

"بابا جان! آئیں نا۔" ساریہ نے کچھ اتنی محبت سے عمر خان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ وہ فقط اتنا کہہ سکے۔

"فاطمہ! آپ مل آئیں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے ساریہ کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔

"ماما! دیکھیں تو کون آیا ہے۔" ساریہ دروازہ بجا کے اندر آگئی اور لائبہ واحدی کو مخاطب کرتے ہوئے بولی۔

وہ مڑیں تو ساکت ہوگئیں۔ دھڑکنیں تو ثوبانہ شاہ کی بھی رک گئی تھیں۔ انہوں نے اذیت سے آنکھیں بند کرلیں۔

"ماما یہ زیاد کی اماں ہیں۔ آج ڈاکٹر کی طرف آئی تھیں تو مجھ سے ملاقات ہوگئی۔" ساریہ نے تعارف کروایا۔

"السلام علیکم۔" لائبہ واحدی کو آگے بڑھنا پڑا کہ ابھی تو کھیل پردے میں تھا۔

"بیٹھیں۔۔۔" لائبہ واحدی نے نہ چاہتے ہوئے بھی حق میزبانی ادا کیا۔

"شکریہ۔۔۔" فاطمہ بی بی' ثوبانہ کے سامنے بیٹھ گئیں۔ "ہم نے ایک دو دنوں میں آنا ہے آپ لوگوں کی جانب۔" فاطمہ بی بی نے ساریہ کو دیکھ کے مسکراتے ہوئے کہا۔ فاطمہ بی بی کا ایک ایک انداز تڑپا رہا تھا کہ ابھی عمر خان نے انہیں لاعلم ہی رکھا ہے۔ زیاد بھی سلام دعا کے بعد باہر نکل گیا۔

ساریہ تو ان کی شخصیت سے شدید متاثر لگ رہی تھی۔ اسکائی بلیو چائنا سلک کی نفیس شلوار قمیص پہ پشمینہ شال سے اپنے وجود کو مکمل طور پہ ڈھانپے وہ انتہائی پروقار شخصیت کی مالک لگ رہی تھیں۔ ان کا پشتو زبان کا لب و لہجہ انہیں اور بھی منفرد بنا رہا تھا۔

"آپ کے ہسبینڈ کہاں ہوتے ہیں۔" انہوں نے ثوبانہ شاہ سے پوچھا تو ساریہ نے ہی بتایا کہ ان کی ڈیتھ ہوچکی ہے۔

"اوہ۔۔۔ بہت افسوس ہوا سن کے۔ انسان کے ساتھ اگر ہم سفر نہ ہو تو زندگی بہت مشکل سی ہوجاتی ہے۔"

"آپ کی زندگی کیسی گزر رہی ہے۔" نہ جانے کیا سوچ کے ثوبانہ نے یہ سوال پوچھا تھا۔

"ماشاء اللہ بہت اچھی اور جب عمر خان جیسا محبت کرنے والا انسان ساتھ ہو تو مشکلات بھی خوب صورت زیور ہی لگتی ہیں۔" ان کے لہجے کا سکون ثوبانہ کے تن بدن کو سلگا گیا۔

"ان شاء اللہ ساریہ وہاں بہت خوش رہے گی' کیونکہ زیاد بہت محبت کرنے والا بچہ ہے اپنے بابا کی طرح۔" وہ اٹھ کے ساریہ کو خود سے لگا کے بولیں۔

وہ اللہ حافظ کہہ کے نکلیں تو ساریہ ان کے ساتھ باہر نکلی۔

"عمر! تم اتنے بزدل ہو کہ اس کے ساتھ میرے سامنے بھی نہ آسکے۔ تم بھلا کیسے ہمت کرتے۔ فاطمہ کی ایک ایک ادا سے تمہاری محبت کا خمار جھلک رہا تھا۔ میں نے تمام عمر تمہاری چاہت کی طلب میں رائیگاں کر ڈالی۔ میرے پہلو میں تمہاری محبت اور تمہارے پہلو میں نئی محبت... واہ عمر خان واہ... محبت اس شان سے نبھائی جاتی ہے تمہارے قبیلوں میں۔"

☆ ☆ ☆

جوں ہی ریحط کو معلوم ہوا کہ سب شہر گئے ہوئے ہیں' اس نے فوراً" لالئی سے رابطہ کیا۔ وہ جو یہ تہیہ کیے ہوئے تھی کہ اپنے روٹھے ساجن کو جھک کے منت کر کے ہر طرح سے منالے گی' ارادہ باندھ کے اس کی جانب چلی آئی۔ لیکن سب ارادے ڈگمگا گئے' جب میز پہ اس نے وہ مکروہ سیال دیکھا' جس کی وجہ سے انسان حیوان بن جاتا ہے۔ جوں ہی لالئی کو اس کے ارادوں کا اندازہ ہوا' وہ جھٹکے سے پلٹی مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

"ریحط! یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"کیا کر رہا ہوں میں... ایک شوہر اپنی بیوی سے کیا پیار بھری کوئی بات نہیں کر سکتا۔" وہ مسکرایا۔

لالئی کی سانسیں رکنے لگیں۔ وہ اس کی جانب بڑھا اور اس کے گھنے بالوں کی چوٹی کھول کے سیاہ زلفوں بکھرا کے قیامت برپا کر دی اور پھر اس کا سامنا کرنے ہمت نہیں ہوئی تو جلدی سے وہاں سے نکل گیا۔

وہ مردہ قدموں سے حویلی واپس آگئی۔ او میرے اللہ! میری لاج رکھنا۔ وہ مذہبی و قانونی لحاظ سے مجھ استحقاق رکھتا تھا مگر کچھ رسم و رواج بھی تو ہوتے ہیں جن کی پاس داری کرنی پڑتی ہے۔

خدایا اگر... تو پھر میں کیا کروں گی۔ کیا جواب دوں گی سب کو... کیسے سامنا کروں گی اماں' بابا اور لالہ کا ساری دنیا کا مقابلہ کیسے کروں گی۔

وہ ابھی اپنے دکھوں پہ رو رہی تھی کہ بابا نے یہ طوفان اٹھا دیا۔ انہوں نے زیاد لالہ کا رشتہ ساریہ واحدی سے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

پورے دو دن کی اذیت کے بعد وہ اس نتیجے پہ پہنچے تھے کہ وہ فاطمہ کو جدا نہیں کر سکتے۔ وہ ان کی ذات لازمی حصہ تھیں۔ وہ اب اتنی بے دردی سے انہیں کاٹ کے خود سے دور نہیں کر سکتے۔

"نہیں خان! میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی میں ہاتھ جوڑ کے آپ سے اپنے بیٹے کی خوشیاں مانگ ہوں۔" وہ ہاتھ جوڑ کے بولیں تو وہ خاموشی سے باہر نکل گئے۔ گویا وہ کچھ سننے کے موڈ میں نہ تھے۔

"خان! اب اور کتنی سزا سہنی ہے مجھے۔ میں تو سمجھی تھی کہ اب میرے سکھ کے دن آگئے ہیں۔" وہ دوپٹے میں منہ چھپا کے رو پڑیں۔

"اماں! مت روئیں' یہ مرد نام کی مخلوق پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ ان سے سر ٹکرانا خود کو توڑنے کے مترادف ہے۔ ان سے اگر کچھ مل سکتا ہے تو صرف زخم۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔" لالئی نے ماں کا ہاتھ تھام کے کہا اور ان کے ساتھ خود بھی رو پڑی۔

لالئی کا پہلا شک ریحط کی طرف گیا کہ کہیں اس نے تو کوئی کھیل نہیں کھیلا۔ وہ بھاگ کے کمرے تک آئی اور موبائل سے اس کا نمبر ملایا۔

"ریحط..." وہ بھیگتے ہوئے بولی۔

"ایسی کیا بات ہے' جس کے لیے محترمہ کو میرا نمبر

ملانا پڑا۔" اس نے پوچھا۔

"بابا سے آپ نے کیا کہا ہے کہ وہ لالہ کی شادی کے خلاف ہو گئے ہیں۔" اس کا اتنا کہنا تھا کہ ریحط کا قہقہہ بلند ہوا۔

"آپ نے اس دن کہا تھا کہ اگر میں نے آپ کی بات نہ مانی تو آپ زیاد لالہ سمیت میرے سارے گھر والوں کو خوشیوں سے محروم کر دیں گے۔ ریحط! ہمارے پاس خوشیوں کے نام پہ یہی کچھ ہے۔ خدا کے لیے ہم پہ رحم کھائیں۔" وہ اس کی منتیں کرنے لگی۔

"مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں کہ تمہارا بھائی کسی سے شادی کرے یا کسی کو اٹھا لائے۔ خبردار جو آئندہ بے کار کی باتوں کے لیے مجھے فون کیا تو۔" وہ دہاڑتے ہوئے بولا اور فون بند کر دیا۔

"یاد رکھنا ریحط... ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو مظلوم ایسا وار کرتا ہے کہ ظالم پھڑک بھی نہیں سکتا۔ میں جانتی ہوں کہ تمہاری خواہش پوری ہو جائے گی۔ کیونکہ کچھ ایسا ہے جو مجھے اپنے وجود میں بدلا بدلا محسوس ہو رہا ہے مگر جو میں سوچ چکی ہوں تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

لالئی کے اوپر گزرنے والی قیامت نے اپنا رنگ دکھا ہی دیا۔ اس کی ساری عبادتیں رائیگاں گئیں۔ وہ جو مصلے پہ رو' رو کے اپنے رب سے دعائیں کرتی رہی تھی کہ اے اللہ مجھے بانجھ کر دے۔ میں کبھی ماں نہ بن سکوں۔ میری عزت رہ جائے... سب نامنظور ہو گئیں۔ کوئی بھی تو نہ تھا جو اس کے کرب کا اندازہ لگا سکتا۔

☆ ☆ ☆

"لیکن کیوں زیاد... کیوں نہیں آرہے ہو تم لوگ۔" ساریہ فون پہ زیاد کی بات سن کے پریشان ہو گئی۔ "یہاں تو سب انتظار میں ہیں۔" وہ حد سے زیادہ مایوس ہوئی تھی۔ جب دل میں اندیشے پل رہے ہوں تو سوچوں کو بے راہ ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ وہ ایک پل میں ہر اس سوچ سے گزر چکی تھی جس کے ہونے کا ہلکا سا بھی شائبہ اسے اپنی اور زیاد خان کی محبت کی راہ میں نظر آیا تھا۔

"دراصل بابا کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" زیاد خان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیسے مطمئن کرتا۔

"پھر کب زیاد..." بے یقینی صاف ظاہر تھی۔

"کمال کرتی ہو تم بھی ساریہ! میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ بابا کی طبیعت خراب ہے۔ اب میں تمہیں دنوں' گھنٹوں اور منٹوں میں بتاؤں کہ کب آئیں گے۔ بجائے یہ پوچھنے کے کہ اب وہ کیسے ہیں' تم..." سارا غصہ اس پہ نکال دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس لہجے میں بات کرے گا تو وہ کچھ دن کے لیے خود کو چپ کی سولی پہ لٹکا لے گی۔

"سوری ساریہ... میں نے زیادہ سخت لہجہ اپنایا... بابا کی وجہ سے میں دراصل بہت پریشان ہو جاتا ہوں نا اس لیے۔"

"بابا جان کا پرابلم کیا ہے۔"

"ساریہ! ان کا بلڈ پریشر کا مسئلہ ہے۔ وہ میڈیسن لینے میں بھی سستی کرتے ہیں۔" کئی دفعہ کی بتائی ہوئی بیماری دہرائی۔

"تو اماں سے کہو کہ ان کے ساتھ ذرا نرمی نہ کریں۔" اس نے مشورہ دیا۔ "پتا ہے جب ڈیڈی کی طبیعت خراب ہوتی ہے اور وہ کوئی بات نہ مانیں تو ماما خود بھی اپنی ٹیبلیٹس لینا بند کر دیتی ہیں۔ جن کا ڈاکٹر نے ایک دن بھی ناغہ منع کیا ہے۔" وہ مسکرائی۔

زیاد خان تو مسکرا بھی نہ سکا تھا کہ ان لوگوں نے بھلا کب یہ سب دیکھا تھا۔ جبر کی رسی سے بندھے رشتے جنہوں نے کبھی رشتوں کی لذت کو محسوس ہی نہ ہونے دیا تھا۔

"اچھا ساریہ! میں تم سے پھر بات کروں گا' اللہ حافظ۔" بنا اس کی بات کا جواب دیے اس نے فون بند کر دیا۔ دکھ کی شدید لہر نے ساریہ کا محاصرہ کر لیا۔

"بیٹا! کیسی ہے اب زیاد کے والد کی طبیعت۔" شام لان میں بیٹھے جب سب چائے پی رہے تھے تو وقار

واحدی نے پوچھا۔

"جی پاپا! ابھی دوبارہ بات ہوئی ہے' کہہ رہا تھا کہ اب کافی بہتر ہیں۔"

لائبہ واحدی نے شرم سے ہلکا ہلکا سرخ شرمایا' شرمایا بیٹی کا چہرہ دیکھا تو دل ڈولنے لگا۔

"ایسا کرنا مجھے عمر خان کا نمبر دے دینا' میں خود بھی اس کی طبیعت کا پوچھ لوں گا۔ ویسے آپس کی بات ہے' میں کافی ڈرا ہوا تھا مگر ملنے کے بعد مجھے وہ بہت اچھی فیملی لگی ہے۔" وقار واحدی نے کہا تو عبید نے بھی ان کی تائید کی۔

"ڈیڈی! زیاد کی اماں بھی بہت اچھی ہیں۔ انتہائی گریس فل اور محبت کرنے والی۔" ساریہ نے کہا تو لائبہ واحدی کو عجیب سی الجھن ہونے لگی اس گفتگو سے۔ اس لیے انہوں نے بات کا رخ بدل دیا۔ موضوع گفتگو بدلا تو ساریہ اٹھ کے اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کے بعد کافی دفعہ اس نے زیاد کا نمبر ملایا مگر مل ہی نہ رہا تھا۔ مسلسل بند مل رہا تھا۔

"ساریہ! زیاد کا کوئی فون آیا۔" لائبہ واحدی نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے سوال کیا۔

"جی نہیں ماما! پتا نہیں کیا پرابلم ہے۔ نمبر بھی بند مل رہا ہے۔ میرا دل ڈر رہا ہے۔" اس نے کہا تو لائبہ واحدی کے دل کی حالت غیر ہونے لگی۔

وہ تو سمجھی تھیں کہ ایک محاذ پہ ساریہ اور ثوبانہ دونوں کی جنگ لڑیں گی۔ مگر اب تو ہاتھ لگی بساط بھی ہار رہی تھیں۔ اب پیچھے ہٹنا بھی' ممکن نہ تھا کہ ثوبانہ کو اس لڑائی کے لیے ہتھیار خود انہوں نے دیے تھے۔ زبان سے نکلے لفظوں کا بھرم بھی تو رکھنا تھا۔

وہ اپنی بیٹی کو کیا بتاتیں کہ وہ کیا کھیل کھیل رہی تھیں۔ کبھی کسی ماں نے اپنی اولاد کو بھی مہرہ بنایا ہے۔ وہ تو ایسا ہی کر رہی تھیں۔ اس یقین اور بھروسے پہ کہ شاید اس طرح ان کی برسوں کی تھکی ہاری بہن کو اب اس عمر میں منزل مل جائے۔

انہیں اپنی بہن کی ساری اذیتیں یاد تھیں۔ اس کی تکلیف کا ایک ایک دن... ان کو یاد تھا وہ دن جب ثوبانہ انہیں بے سہارا عورتوں کے ادارے میں [illegible] تھی۔ اس کی حالت انہیں لہو رلا گئی۔ اس بے درد [illegible] خاطر اپنے ماں' باپ کا آخری دیدار تک نہ کر سکی [illegible]

آج وقت عمر خان کو سامنے لے تو آیا تھا۔ مگر اب ثوبانہ کے ساتھ ساریہ بھی لائن میں کھڑی ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"اماں! آپ بابا سے بات کریں نا۔" لالئی حالات بری طرح بگڑتے دیکھ کے فاطمہ بی بی کے پاس چلی آئی۔

"کاش! میں اپنے بچوں کی خوشیوں کی حفاظت کر سکتی۔" لالئی نے ان کا ہاتھ تھاما تو احساس ہوا کہ ان کے وجود میں کتنی برف جمی ہے۔

"ٹھیک ہے اماں... اگر آپ بات نہیں کریں گی تو میں بات کروں گی۔" لالئی نے ارادہ کر لیا۔

وہ ہمتیں جمع کر کے عمر خان کے کمرے تک آئی۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

"بابا! آپ سو تو نہیں گئے تھے۔" وہ رات کو ان کے کمرے میں آئی تھی۔

"نہیں... نہیں لالئی آؤ۔" وہ فوراً" مسکرائے۔

"بابا..." اس نے ہمت کر کے پکارا اور ساتھ ہی ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"لالئی کیا ہوا بچے! طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔" وہ اس کے انداز پہ پریشان ہو گئے۔

"بابا! آپ جانتے ہیں نا کہ ہم رشتوں کے معاملے میں کتنے بدقسمت ہیں۔ اب اور کھونے کا حوصلہ ہے بھلا۔"

"نہیں بیٹا! اب میں اور کوئی رشتہ کھونے نہیں دوں گا۔" انہوں نے انتہائی مضبوطی سے اپنی بات کی۔

"تو پھر بابا! ماں جانے کے بعد زیاد لالہ کو کیوں محروم کر رہے ہیں۔ کیا اس طرح ہم زیاد لالہ کو کھو نہیں دیں گے۔" وہ ان کے سامنے سوال یہ سوال رکھ رہی تھی اور ان کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

"بیٹا سمجھ لو کہ اس رشتے میں سراسر گھاٹا ہے۔" وہ چھت پہ نظریں مرکوز کرتے ہوئے اداسی سے بولے۔

"بابا! آپ کہیں مرجانہ کے لیے تو نہیں سوچ رہے۔" اس نے وہ کہہ ہی دیا جو کب سے اس کے دماغ میں چل رہا تھا۔ انہوں نے ساکت نظروں سے اسے دیکھا۔

"بابا آپ اور اماں سے زیادہ کس نے نقصان اٹھایا' ان جبری رشتوں کے عذاب سے۔ آپ دونوں ہی نایاب تھے مگر رل گئے۔ کیا اب آپ لالہ کو بھی جبر کی زنجیر سے باندھنا چاہتے ہیں۔ یوں رشتے نہیں ہوتے بابا۔"

"ہمارے ہاں رشتے جبر کی زنجیروں سے باندھ کے ہی طے ہوتے ہی لالئی! جب ان کی قیمت نہیں لگتی تو فیصلہ ترازو کرتا ہے۔ اب خان نے بھی بھائی کی محبت کی قیمت بیٹے کی خوشیاں قربان کر کے اتارنی ہوں گی۔" فاطمہ بی بی کی آواز پہ دونوں نے ایک ساتھ سر اٹھا کے دروازے کی جانب دیکھا جہاں وہ نہ جانے کب سے کھڑی تھیں۔ لالئی نے اٹھ کے ماں کو تھاما۔

"خان! اگر آپ سمجھتے ہیں کہ لالہ کی محبت میں آپ اپنے بیٹے کی خوشیاں چھین لیں گے تو میں آپ کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ رہی بات مرجانہ کی تو خان! لڑکی اور لکڑی میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔ دونوں کے مقدر میں جلنا لکھا ہوتا ہے اور جل جانا تمام عمر سلگتے رہنے سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔" عمر خان کے مرجانہ کے نام پہ خاموشی سے انہوں نے یہ ہی سمجھا کہ خان کے انکار کے پیچھے یہی وجہ ہے۔ اس لیے انہوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

"میں نے تمام عمر چپ رہتے ہوئے گزاری ہے خان! صرف اس لیے کہ تب اپنی ذات پہ سہنا تھا' مگر اب بات میرے بچوں کی خوشیوں کی ہے اب میں چپ نہیں رہوں گی۔" وہ نڈر ہو گئیں۔ لالئی چپکے سے درمیان سے نکل گئی۔

عمر خان آہستگی سے چلتے ہوئے ان کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ کندھوں سے تھاما اور اپنی پناہوں میں لے لیا۔ دونوں کے درمیان صرف گھڑیال کی ٹک ٹک تھی۔ اس ٹک ٹک کی آواز میں ان کے گزرے ہوئے سالوں کے ضائع ہونے کا دکھ تھا۔

"خان..." فاطمہ بی بی کو اس ہارے ہوئے شخص کا انداز سمجھ میں نہ آیا۔

"فاطمہ! آپ نے ہر کسی کی تکلیف اپنے وجود پہ سہی ہے۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کا وجود ان تکلیفوں سے آزاد ہو' اب اور کوئی تکلیف آپ کا مقدر نہ بنے۔" وہ سنجیدگی سے بولے۔

"آپ کیوں چاہتے ہیں کہ زیاد خان بھی آپ کی طرح معذوروں والی زندگی گزارے۔ بیٹے کو بھی اسی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں' جس میں تمام عمر خود بھی جلے اور مجھے بھی جلاتے رہے۔ کچھ نہیں سیکھا آپ نے اپنی ناکام اور برباد زندگی سے۔" فاطمہ بی بی کی آواز میں واضح طور پہ آنسوؤں کی آمیزش شامل تھی۔ عمر خان تڑپ کے رہ گئے۔

"فاطمہ..." وہ رکے۔ "مجھے آج اقرار کرنا ہے کہ میں نے ثوبانہ کو چاہا تھا' پا بھی لیا' مگر وہ کھو گئی۔ تم سے میں نے بہت شدید نفرت کی... مگر پھر اس نفرت کی آگ نے عمر خان کو ہی جلا کے بھسم کر ڈالا۔ خدا کو حاضر ناظر جان کے کہتا ہوں۔ اس راکھ سے جس وجود نے جنم لیا' وہ تمام عمر تمہارے وصل کی تمنا میں جلتا رہا فاطمہ... ایک آگ تھی جو جلاتی رہی' میں نے کئی بار خواہش کی کہ تمہیں اپنے قریب کر لوں' مگر تم نے اپنے اردگرد لوہے کا حصار قائم کر لیا تھا اور تم سے اگر مانگتا تو بھی کس منہ سے... اس لیے جلتا اور سلگتا ہی رہا۔ اس آگ کو اگر کوئی بجھا سکتا تھا تو وہ تم تھیں فاطمہ... صرف تم... مگر تم بس میرا تماشا دیکھتی رہیں۔ عورت مرد کی طلب کو نہ سمجھے یہ کیسے ممکن ہے' تم نے مجھ سے بدلہ لیا۔ مجھ سے اپنی انا کی جنگ لڑتی رہیں۔ صرف محبت کی چند بوندیں میری پیاس کو بجھا سکتی تھیں۔ صرف تم فاطمہ' صرف تم وہ پیاس بجھا سکتی تھیں۔" عمر خان نے اعتراف محبت کیا۔ "میں نے ہر

آواز پہ پلٹ کے دیکھا۔ میں نے ہر دستک پہ تمہارا گمان کیا۔ میں نے ہر سجدے میں رب سے تمہیں مانگا۔ لیکن میں ہار گیا۔ مجھے تسلیم ہے عمر خان آج ہار گیا ہے اور ٹوٹ رہا ہے۔ مگر یہ آخری میدان ہے۔ فاطمہ مجھے کم از کم یہاں تو جیتنے دو۔ اب تو مجھے جیتنے دو۔" کہتے ہوئے انہوں نے منہ پھیر لیا۔

"آج میں یہاں اپنے حساب کتاب کے لیے نہیں آئی۔ مجھے میرے بچے کی خوشیاں چاہئیں۔ جو آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ آج جھولی اور ہاتھ دونوں پھیلا لیے میں نے، آپ کا یہ گلہ ختم کردیا کہ مجھے مانگنے کی عادت نہیں۔" فاطمہ بی بی نے ہاتھ جوڑ کے کہا۔

"سوری فاطمہ۔۔۔ میں آج بھی تمہیں مایوس ہی کروں گا۔" انہوں نے بنا کسی مروت اور لحاظ کے انکار کردیا۔ وہ آج بھی عمر خان سے ہار کے ہی لوٹی تھیں۔

"پیسا تو میرا وجود بھی تھا خان۔۔۔ تمہارے وجود میں لگی آگ نے کیا مجھے نہیں جلایا۔ تم نے میرے زخموں پہ مرہم رکھنے کا اس وقت سوچا جب وہ زخم ناسور بن چکے تھے۔ میں تمہیں کیا تھامتی، میں تو خود سہاروں کی تلاش میں تھی۔ آج تم نے یہ الزام بھی لگا دیا کہ میں نے تمہاری محبت کی قدر نہیں کی۔ یہ جرم بھی میرے سر آیا۔ میں تمہارے اشاروں کو نہیں سمجھی۔ عمر خان کیا میں کچھ سمجھنے کے قابل تھی۔ میرے وجود کو تم نے ہی تو پتھر کیا تھا۔ ہر جذبہ سرد پڑ تا گیا۔

☆ ☆ ☆

"ساریہ! میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔" زیاد خان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے سنبھالے، جو عمر خان کے فیصلے کو جاننے کے بعد سے روئے جارہی تھی۔

"زیاد! اب کیا ہوگا، میں تمہارے بنا مرجاؤں گی۔"

"جب میں راضی ہوں تو پھر فکر کی کیا بات ہے ساریہ!" زیاد اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کے بولا۔

"زیاد! بات میرے اور تمہارے راضی ہونے کی نہیں ہے۔ اگر اماں اور بابا جان نہیں آئے تو پاپا کبھی نہیں مانیں گے۔"

"عجیب منطق ہے۔ کیا ہم نے محبت بڑوں کو ضامن بنا کے کی ہے۔ جب ہم نے محبت خود کی ہے تو شادی بھی خود کرلیں گے۔" وہ جھنجلاتے ہوئے بولا۔

اس کی بات پہ ساریہ نے صدمے سے اسے دیکھا۔

"یار! میں پوری کوشش کررہا ہوں، اگر وہ نہیں مان رہے تو بتاؤ میں کیا کروں۔ یہ تو طے ہے کہ تم میرے سوا کسی کی نہیں ہوسکتیں۔ میں بھی یوں ہی زندگی گزار دوں گا۔" اسے لگی لپٹی رکھنی نہیں آتی تھی جو دل میں آیا بول گیا۔

رات لائبہ واحدی اس کے پاس آئیں تو اس کا ستا ستا چہرہ انہیں کچھ ہونے کی کہانی سنا رہا تھا۔

"ماما! زیاد کے بابا کو ابھی ڈاکٹر نے سفر کرنے سے منع کیا ہے۔" وہ نظریں چرا کے بولی تو لائبہ واحدی نے اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ پھر وہ چھپا نہ سکی۔

"ماما! زیاد کے بابا نے انکار کردیا ہے۔" ماں کے سینے میں جیسے کسی نے برچھی ماری تھی۔ ثوبانہ کی محبت نامنظور ہوگئی تھی۔

کون ثوبانہ کو اس تلخ حقیقت سے آگاہ کرتا کہ تم جس کا عشق دل میں بسائے عمر بتا چکی ہو، اس نے تمہیں ماننے سے انکار کردیا ہے۔ تمہاری آبلہ پائی بے کار گئی۔

"ماما! میں زیاد کے بنا مرجاؤں گی، میں اس کے علاوہ کسی کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔" لائبہ واحدی کی لاڈلی رو رہی تھی۔

نہ جانے یہ ثوبانہ کی فریادیں تھیں کہ ساریہ کی۔ دونوں کے رونے کی آوازیں گنڈمڈ ہورہی تھیں۔

"ساریہ۔۔۔" انہوں نے اسے پکارا۔ اس کا پورا جسم دھیرے دھیرے کانپ رہا تھا۔ "زیاد کیا کہتا ہے؟"

"ماما! وہ کہتا ہے کہ وہ میرا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔" ساریہ نے بتایا۔

"لیکن اس کے ماں، باپ کا راضی ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم پہلے بھی ایک چوٹ کھا چکے ہیں۔" انہوں نے گویا اپنا فیصلہ بھی سنایا تھا۔

شام تک سارے گھر والوں کو اس بات کی خبر ہوگئی۔ سب اداس ہوگئے تھے۔ مگر فی الحال کوئی کچھ نہ کرسکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

زیاد خان تھکنے لگا تھا۔ اسے کسی طرح کوئی راستہ نہ مل رہا تھا۔ ساریہ کی طرف سے الگ دباؤ تھا اور بابا جان۔۔۔ آج آخری بار بابا سے اپنی محبت کی بھیک مانگوں گا۔ اس کے آنسو اس کے قلب پہ گرنے لگے۔ وہ سیدھا ماں کی طرف آیا کہ ان سے بھی مدد مانگے، مگر فاطمہ بی بی کے کمرے کے دروازے پہ جیسے اس نے دہکتے انگاروں پہ قدم رکھ دیے ہوں۔

"اماں! میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میرا اعتبار کریں۔ میں بے گناہ ہوں۔"

"تو نے مجھے جیتے جی مار دیا لالئی۔" فاطمہ بی بی روتی چلی گئیں۔

"اماں! مجھے معاف کردیں، مجھے معاف کردیں۔"

"بتاتو سہی کہ یہ کس کا بچہ ہے۔" وزنی چھت زیاد خان کے اوپر گری تھی۔

"اماں۔۔۔" وہ اس کا نام تک نہ لے سکتی تھی کہ بات پھر لالئی تک نہیں رہتی تھی، بلکہ ساریہ اور ملالئی تک چلی جاتی۔

"خدا کے لیے مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔" وہ اذیت سے چیخ اٹھی۔ ماں کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ زیاد بجلی کی سی تیزی سے اندر آیا۔

فاطمہ بی بی اور لالئی اس کی آنکھوں سے نکلتے شعلے دیکھ کر گھبرا گئیں۔

"اماں بھلے نہ پوچھیں مگر میں تم سے بہرحال پوچھوں گا اور دوسری بار اگر پوچھنا پڑا تو تمہاری جان نکال کے رکھ دوں گا۔ فوراً بولو۔"

"لالہ۔۔۔" خوف سے لالئی کی آواز پھٹ گئی۔

"مت کہو مجھے لالہ۔۔۔ کوئی رشتہ نہیں ہے میرا تم سے۔" اس کے بھرپور مردانہ ہاتھ نے لالئی کے سرخ و سفید گالوں پہ واضح نشانات چھوڑے تھے۔

"بولو۔۔۔ جواب دو مجھے۔" وہ چلایا۔

"یہ۔۔۔ یہ ریحط کا۔۔۔" وہ چیخ اٹھی۔

"ریحط خان۔۔۔" فاطمہ بی بی اور زیاد خان کی زبان سے ایک ساتھ نکلا۔ لالئی نے سر جھکا لیا۔ زیاد خان تیزی سے نکلا اور سیدھا جبار خان کی حویلی آگیا۔

"کیا بات ہے بچے! کچھ پریشان لگ رہے ہو۔" جبار خان نے الجھے الجھے زیاد خان سے پوچھا۔

زیاد خان نے جھکے سر سے ساری بات ان کو بتادی کہ سر اٹھانے کی سکت جو نہیں تھی۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو زیاد خان۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے۔" ان کا وجود لرز اٹھا اور آواز کانپنے لگی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کا بیٹا ایسا کرسکتا تھا۔ کتنا ہی وقت انہیں خود کو سنبھالنے میں لگا۔

"کیا عمر خان بھی اس بات سے واقف ہے۔" کافی دیر بعد انہوں نے مری مری آواز میں پوچھا۔

"نہیں کاکا جی۔"

"زیاد۔۔۔ میرے بچے یہ دیکھو۔ میرے ہاتھ جڑے ہیں کہ خود پہ قابو رکھنا اور عمر خان کو اس بات کی بھنک بھی نہ پڑنے دینا۔ میں اپنے بھائی سے نظریں نہیں ملا پاؤں گا۔"

جبار خان نے اپنی پگڑی اتار کے زیاد خان کے قدموں میں رکھ دی۔

زیاد خان کانپ گیا۔ اس نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر ان کی پگڑی ان کے سر پہ رکھی۔

"میں ایک ہفتے کے اندر اندر رخصتی کا بندوبست کرتا ہوں۔ میرے جڑے ہاتھوں کی لاج رکھ لینا۔" انہوں نے پھر کہا تو زیاد خان نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"بیٹا اس بات کو یہی دفن کردو۔ میں عزت کھو جانے کا ازالہ تو نہیں کرسکتا۔ مگر بات کو سنبھال لوں گا۔" وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اس بے عزتی اور ذلت کا انجام کسی چھوٹے موٹے جھگڑے پہ نہیں ہونا تھا، بلکہ بات خون خرابے تک چلی جاتی۔

"ارے۔۔۔ زیاد آیا ہے، السلام علیکم۔" ریحط خان

نے قدم اندر رکھے۔

زیادخان رخ موڑے کھڑا رہا۔ اس کا بڑھا ہوا ہاتھ خود بخود گر گیا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

حالانکہ کچھ دیر پہلے ہی لالئی نے رو' رو کے اسے ساری بات بتائی تھی۔ جس کے بعد وہ حویلی چلا آیا تھا تاکہ دیکھ سکے جب بات اپنی بہن کی ہو تو بندہ کیسے تڑپتا ہے۔

"ریط خان! تم نے یہ کیا کیا ہے۔" جبار خان غصے سے اس کی طرف بڑھے۔

"کیا کیا ہے میں نے۔" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ذلیل۔۔۔ کمینے۔" جبار خان نے ایک تھپڑ اسے مارا۔ "تم نے میرے بھائی کی عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ تم نے میرے جان سے پیارے بھائی کی گردن جھکائی ہے۔" جبار خان دہاڑے۔

"بابا جان! کیا کہہ رہے ہیں آپ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ کھل کے بولیں' بات کیا ہے۔" وہ مکمل انجان بن گیا۔ اس وقت اسے زیادخان کی بے بسی مزا دے رہی تھی۔

"بکواس کر رہی ہے وہ۔۔۔ جھوٹ بولتی ہے۔۔۔ کسی اور کا گناہ میرے ساتھ منسوب کر رہی ہے۔" جبار خان کے ساتھ ساتھ زیادخان نے بھی جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"ریط خان! یہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ وہ تمہارا نام لے رہی ہے۔ تمہاری بیوی ہے' تمہاری عزت ہے۔" زیادخان جھٹکے سے اس کی طرف مڑا' جواباً" وہ زور' زور سے چلانے لگا۔

"میں اتنا ذلیل اور کمینہ نہیں ہوں کہ ایسی گھٹیا حرکت کروں اور اب اسے بھی معاف نہیں کروں گا۔ وہ اب میری عزت ہے۔ اس سے حساب میں خود لوں گا۔" اس نے یکدم پانسہ ہی پلٹ دیا۔

"میں جرگہ بلواؤں گا۔" وہ قابو سے باہر ہونے لگا تو جبار خان نے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

"بابا جان! میں اس سے یہ سوال ضرور پوچھوں گا اور زیادخان کی موجودگی میں پوچھوں گا۔ کیونکہ میں اب اس کے ڈرامے کو سمجھنے لگا ہوں۔ وہ کافی دنوں سے فون کر کے مجھے شادی جلد طے کرنے پہ زور دے رہی تھی۔ یہ اس کے ایس ایم ایس دیکھیں۔" اس نے جان بوجھ کے اس کے کچھ پیغامات ان باکس میں رکھے ہوئے تھے' جن میں وہ شادی جلد کرنے پہ کہہ رہی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔" جبار خان نے جاننا چاہا۔ زیادخان نے ایک لمحے کے لیے نظریں نہ چرائیں۔

"ٹھیک ہے ریط۔ اس کی ضرورت نہیں۔" جبار خان نے اسے روکا۔

جبار خان کو اس بات کی تکلیف تھی کہ اگر لالئی قصوروار تھی تو بھی ان ہی کے باپ' دادا کی پگڑی اچھالی جائے گی اور اگر ریط نے یہ سب کیا ہے تو بھی اسی خاندان کی بے عزتی تھی۔

"زیادخان! اگر اس نے مجھ پہ لگائے اس الزام کو ثابت نہ کیا تو یاد رکھنا کہ اپنی ذلت کا بدلہ اس سے ضرور لوں گا۔ وہ میرے نکاح میں ہے۔ میری عزت کے ساتھ کھیلی ہے۔" وہ کہہ کے نکل گیا اور زیادخان نے چہرے کو ہاتھوں میں چھپا لیا۔

"زیادخان! اسے کل یہاں لے آنا۔ میں خود اس سے بات کروں گا اور کوشش کرنا کہ عمر خان کو اس بات کا ابھی پتا نہ چلے۔" زیادخان مردہ قدموں سے وہاں سے نکل آیا۔ لالئی ایسی نہیں ہے۔ وہ کوئی غلط قدم کیسے اٹھا سکتی ہے۔ اس نے ریط کا نام لیا ہے۔ پھر ریط کیسے منکر ہو سکتا ہے۔ لیکن ریط خان ایسا کیوں کرے گا۔ لالئی آخر اس کی بیوی ہے اور ایک ڈیڑھ ماہ میں ان کی شادی بھی ہو جانی تھی۔ تو پھر کیا کوئی اور۔۔۔ دماغ کی رگیں تن گئیں۔ اس کا دل رو رہا تھا۔

فاطمہ بی بی اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"اماں! وہ منکر ہے۔ جھٹلا دیا ہے اس الزام کو اس نے۔۔۔ کہہ رہا تھا کہ جرگہ بلوائے گا۔" وہ سر جھکا کے بولا فاطمہ بی بی نے ہائے اللہ کہہ کے سینہ پیٹ ڈالا۔

"اماں! بابا کی خاطر میں اپنی محبت سے دستبردار ہو سکتا ہوں۔ مگر میں اس اذیت سے انہیں کیسے بچاؤں۔ یہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اماں۔" وہ بے بسی سے ماں کی گود میں سر رکھ کے رو دیا۔

"میں خود خان لالہ سے بات کرتی ہوں۔" وہ کچھ سوچ کے اٹھیں اور لالئی کو لے کے سیدھی جبار خان کی حویلی آئیں۔

ان کی نظریں تو ہمیشہ ہی جھکی ہوتی تھیں' آج تو سر بھی جھکا تھا۔ ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ کمرے میں صرف لالئی کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔ وہ ظالم بھی وہاں موجود تھا۔ آرشین جان بھی سب کچھ جان چکی تھیں اور نفرت بھری نظروں سے لالئی کو دیکھ رہی تھیں' جس نے ان کے بیٹے کی خوشیوں کو داغ دار کیا تھا۔

اس ساری صورت حال میں اگر کوئی شخص لطف اٹھا رہا تھا تو وہ ریط خان تھا۔ زیادخان کی جھکی ہوئی گردن۔۔۔ اسے اپنے انتقام کی آگ بجھتی دکھائی دے رہی تھی۔

"لالئی بچے!" جبار خان بمشکل لب کھول سکے۔ اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کے بات کرنے کی ہمت کی۔

"کاکا جی۔۔۔ کاکا جی۔۔۔" وہ ان کے پاؤں میں گر گئی۔

"لالئی! کھل کے بتاؤ کہ یہ گناہ کس کا ہے۔" آرشین جان بے رحمی سے بولیں۔ فاطمہ بی بی اور زیادخان کی اذیت ناقابل بیان تھی۔

"تائی اماں!" اس نے بے بسی سے ہاتھ جوڑ دیے۔

"بولو لالئی بچے! کیا یہ ریط کا بچہ ہے۔" جبار خان نے کہا تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

اتنا بے رحم تیر چلا تھا کہ سب ایک ہی بار میں گھائل ہو گئے تھے۔ جبار خان۔۔۔ آرشین جان۔۔۔ فاطمہ بی بی اور زیادخان۔۔۔ کس کس کے زخم روح تک نہ اترے تھے۔

مگر ریط خان کو لالئی نے اس وقت آسمان سے زمین پہ دے مارا۔ جب اس نے اپنے چالیس سالہ ملازم شیر خان کا نام لیا۔ شیر خان نوکری چھوڑ کر جا چکا تھا' کوئی نہیں جانتا تھا' وہ اب کہاں تھا۔ وہ سر پکڑ کے بیٹھ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ لالئی نے ایک ہی وار میں اس سے بدلہ لے لیا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا یہ سب اس کا اپنا کیا دھرا ہے۔

زیادخان بھوکے شیر کی مانند اس پہ جھپٹا۔ وحشیانہ انداز میں اسے پیٹنے لگا۔ وہ چپ چاپ سہتی رہی۔ یہاں تک کہ نڈھال ہو کے فرش پہ گر گئی۔ کسی میں ہمت نہ تھی کہ زیادخان کے ہاتھ روک سکتا۔ ریط یکدم ہی کھڑا ہوا۔

"زیادخان! تم اس کے حساب کتاب کو چھوڑو' اب میں جانوں اور یہ۔۔۔ باقی خاندان کی عزت کی خاطر میری سب سے یہی درخواست ہے کہ اس بات کو یہی دفن کر دیں۔ میں اپنے باپ' دادا کی عزت پہ حرف نہیں آنے دوں گا۔ بابا جان آپ شادی کی ڈیٹ رکھ دیں' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ریط خان نے فیصلہ سنا دیا تو جبار خان نے بہت غور سے ریط خان کو دیکھا تھا۔

"ریط۔۔۔ بچے! ہم تمہارا یہ احسان ساری زندگی نہیں اتار پائیں گے۔" فاطمہ بی بی نے آگے بڑھ کے اپنا دوپٹا ریط خان کے قدموں پہ رکھ دیا۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں پھپی جان۔" وہ حقیقتاً" شرمندہ ہو گیا اور فوراً" ان کی چادر ان کے سر پہ ڈالی۔

زیادخان ہاتھ جوڑے اس کے سامنے آیا تو اس نے وہی موقع غنیمت جانا۔

"نہیں زیادخان! ایسا مت کرو۔ میں جانتا ہوں یہ کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔ اگر آسان ہوتا تو کیا میں اپنی بہن کے لیے تمہارے آگے ہاتھ نہ جوڑتا' میں نے کسی پہ احسان نہیں کیا۔"

☆ ☆ ☆

رخصتی کا دن آگیا۔۔۔ لالئی کا سادہ سا روپ بھی دیکھنے والوں کی نگاہوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ ملالئی نے بہت چاہا کہ اس کا میک اپ کر دے۔ مگر وہ مان ہی نہیں رہی تھی۔

"اماں! یہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟" ملالئی بار بار فاطمہ

بی بی سے پوچھتی۔
لالئی پتھر کا بت بنی رہی۔
"جرگہ آگیا۔" شور اٹھا۔ "ارے لڑکیوں قرآن پاک اور چاول لے آؤ۔" لالئی کی دور پرے کی پھپھو نے ملالئی اور اس کی باقی کزنز کو آوازیں لگانی شروع کردیں۔
"لالئی دیکھو تو کون آیا ہے۔" شمیلا کی خوشی سے سرشار آواز پہ اس نے سر اٹھایا تو سامنے اماں کے ساتھ دلاور ماما جی اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ شادی اور موت دونوں موقعوں پہ اپنے پرائے بن بلائے بھی آجاتے تھے۔ ہر نارا ضی ان موقعوں پہ دفن کردی جاتی تھی۔
آج ان کی بیٹی رخصت ہو رہی تھی۔ عمر خان نے خاموشی سادھ لی کہ وہ فاطمہ بی بی کے بھائی تھے۔
لالئی کے مردہ وجود میں جیسے جان آگئی تھی۔ بھاگ کے ان کے سینے سے جا لگی اور اتنا روئی کہ ارد گرد کھڑا ہر شخص رو پڑا۔
"اماں۔۔۔" رخصتی سے کچھ دیر قبل فاطمہ بی بی کسی کام سے اندر آئیں تو اس نے تڑپ کے پکارا۔
"مجھے ماں مت کہہ۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں تو اس کا دل کٹنے لگا۔
"لالئی! زیاد خان کو بلاؤ۔ لالئی کے دوپٹے کے کونے باندھ دے۔" لالئی کا دم گھٹنے لگا۔
زیاد خان نے پتا نہیں کس دل سے رسم ادا کی۔ وہ جب جانے لگا تو لالئی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ مڑ نہ سکا تو وہ اس کے سامنے آگئی اور دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ لب خاموش رہے۔ آنکھیں ساون کے بادلوں کی طرح برس رہی تھیں۔ زیاد خان نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔ حالانکہ دل تو چاہ رہا تھا کہ آج اس کی اس حویلی سے ڈولی کے بجائے جنازہ نکلتا جس نے ان کی عزت پامال کی تھی۔
"ڈولی آگئی' ڈولی آگئی۔" شور مچ گیا' لالئی کو لگا کہ وقت قضا آن پہنچا ہے۔ اس کے اوپر وزنی سا پوت (ریشم کی بنی روایتی شال) ڈال دی گئی اور کچھ رسمیں ادا کرکے ڈولی میں بٹھادیا۔
کاکا جی کی حویلی میں اسے تائی ماں کے کمرے میں فرش پہ بنی سیج پہ بٹھایا۔ وہ بے آواز روئے جارہی تھی۔
"لڑکیو! ابھی گھونگھٹ نہ اٹھانا۔ بدشگونی ہوجائے گی۔ مغرب کی نماز کے بعد رسم ہوگی۔" وہ پہچان نہ پائی کہ یہ کس کی آواز تھی۔
مغرب کی نماز کے بعد ساری رسمیں ادا کی گئیں۔ اس کی شہادت انگلی میں ست رنگی ریشمی دھاگا باندھا گیا جو سات سہاگنوں نے مل کے بنایا تھا۔
اس کے مردہ وجود کو بجائے قبر میں دفنانے کے ربیط خان کے کمرے میں پہنچادیا گیا مگر ساری رات گزر گئی۔ وہ پتھر بنی اسی طرح بیٹھی رہی۔ وہ کمرے میں نہ آیا۔ تائی اماں دنیاداری نبھانے اس کے کمرے میں آئیں مگر انہوں نے نفرت سے اسے دیکھا۔
"میرا بیٹا بھلا کون سا تمہاری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا کہ تمہاری انگلی سے یہ دھاگا کھولتا۔" وہ اس کی انگلی میں ریشمی دھاگا بدستور بندھے دیکھ کے بولیں۔ اس کا سر مزید جھک گیا۔
"یہ سب کیا ہو رہا ہے لالئی! میں کیسے مان لوں کہ تم ایسا کرسکتی ہو۔"
شادی کی رات آرشین جان نے مرجانہ کو جو بتایا وہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ مگر یہ قیامت اس حویلی پہ گزر چکی تھی اور لالئی سے نظریں ملانے کی ہمت کم از کم مرجانہ میں نہ تھی۔
آج بھی بڑی ہمت کرکے اس کے سامنے آئی تھی۔
"کیسے ہو سکتا ہے یہ سب لالئی۔۔۔ میں کیسے مان لوں۔۔۔ تم ایسی نہیں ہو۔" وہ بے یقینی سے بولی۔
"میں ایسی ہی ہوں مرجانہ۔۔۔ سب ٹھیک کہہ رہے ہیں' سب کا یقین کرو۔ تمہاری دوست ایک بدکردار اور بدصورت لڑکی ہے' سب سچ ہے' سب سچ ہے' میں نے سب کو برباد کردیا ہے' سب کو مار دیا ہے۔" وہ پتھریلے لہجے میں بولی تو مرجانہ روتی ہوئی وہاں سے نکل

گئی۔

☆ ☆ ☆

"اف خدایا۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔ کس دوراہے پہ آن کھڑا ہوا ہوں۔۔۔ کیا کاکا جی اور ربیط کے احسانات سے منہ موڑنا آسان ہے۔ ہماری ذلت کو انہوں نے اپنی پاکیزہ چادر میں یوں سمیٹ لیا کہ خود بابا جان بھی لاعلم ہیں۔ میں ربیط خان کی اس اذیت کا اندازہ نہیں کرسکتا' جب اس نے میرے جڑے ہاتھوں کو تھام کے کہا تھا کہ ہاتھ جوڑنا آسان نہیں ہوتا' اگر آسان ہوتا تو وہ کب کا مرجانہ کے لیے جوڑ چکا ہوتا۔"
زیاد خان نے فلک کی سیاہ چادر پہ نظریں جمائے سوچا۔ "میری بہن کی رسوائی کو اس نے چھپایا ہے تو کیا مجھے مرجانہ کی بدصورتی کو جس کا سبب بھی میں ہی ہوں' قبول نہیں کرنا چاہیے۔ اسی میں محبت کا حق ہے' اسی میں رشتوں کا احترام ہے مگر ساریہ۔۔۔" دل میں ہوک سی اٹھی۔ "میں بھول پاؤں گا کیا اسے؟" اس تصور ہی نے اس کی جان نکال دی۔
ساری رات ہی جاگتے گزر گئی۔ صبح نماز کے بعد خدا سے اپنے لیے استقامت کی دعا مانگی۔ ہمت کرکے ساریہ کا نمبر ملایا۔
"زیاد! اتنی صبح صبح۔۔۔ خیریت تو ہے۔" وہ بھی ابھی ابھی جائے نماز تہ کرکے اٹھی تھی۔
"ساریہ! آج مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔" ہمت باندھی۔
"جان بھی حاضر ہے۔" وہ زندہ دلی سے بولی۔
"یہی چاہیے۔" وہ دکھ کی شدت سے مسکرادیا۔
"کیا مطلب۔۔۔ خیریت تو ہے۔" اب کے ساریہ کے کان اس کے شکستہ لہجے پہ کھڑے ہوئے۔
"ساریہ! میں ہار گیا ہوں۔ میں اپنے سارے قول ہار گیا ہوں' میں اپنی محبت ہار گیا ہوں' مجھے معاف کردینا!"
"زیاد۔۔۔" ساریہ کی آواز گلے ہی میں رندھ گئی۔ حوصلے ٹوٹنے لگے۔ ذات بکھرنے کو تھی۔
"اف خدایا۔۔۔ بس کبھی کبھی انسان حالات کے شکنجے میں بھی آجاتا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کچھ فیصلے کرنے پڑ جاتے ہیں۔" وہ رکا کہ شاید وہ کوئی سوال کرے' مگر اس کے لبوں پہ چپ کے قفل پڑے رہے۔ گویا آج اس نے اپنی قسمت کا فیصلہ ہی سننا تھا۔
"ساریہ! تم اپنے جیسے کسی خوب صورت شخص کا ہاتھ تھام لینا' مجھے معاف کردینا۔" فیصلہ سنادیا گیا اور زیاد خان نے جلدی سے لائن کاٹ ڈالی۔
وہ بے جان بت بنی موبائل کو دیکھے جارہی تھی۔ بھابھی اسے ناشتے کے لیے بلانے آئیں تو اسے دیکھ کے گھبرا گئیں۔ زور' زور سے سب کو آوازیں دینے لگیں۔
"کیا ہوا ہے ساریہ کو۔"
"ساریہ میری جان۔۔۔ اٹھو کیا ہوگیا ہے۔"

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے
کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب
کھانا خزانہ
قیمت -/225 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔
آج ہی -/800 روپے کا منی آڈر ارسال فرمائیں۔
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32216361

ہر کوئی اسے پکار رہا تھا۔ اسے سب سنائی دے رہا تھا۔ وہ بولنا بھی چاہ رہی تھی۔ مگر اتنی ہمت نہ تھی کہ حرکت کر سکتی یا ان کو جواب ہی دیتی۔ وہ نیم بے ہوشی کی سی کیفیت میں تھی۔ بی پی کافی ڈاؤن ہو چکا تھا۔

اسپتال فون کیا گیا تو اس کے کولیگز بھاگے چلے آئے۔ فوراً اسپتال شفٹ کیا گیا۔ بی پی کے ساتھ ساتھ شوگر لیول بھی ڈاؤن ہو گیا تھا۔

ثوبانہ شاہ اور وہ دونوں بھی بھاگم بھاگ اسپتال پہنچے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر تھا کہ سب ٹیسٹ کلیئر تھے۔

"ساریہ بیٹا! کیا سوچ رہی ہو۔" شام تک اس کی طبیعت سنبھلی تو۔۔۔ ثوبانہ شاہ نے اس کے بال بناتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

"خالہ جانی! میں بھی آپ کی طرح محبت کی جنگ ہار گئی ہوں۔" ثوبانہ شاہ اس کی بات پہ بری طرح گھبرائیں۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا ہوا ہے۔"

"خالہ جانی! زیاد نے مجھ سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔" ایک قیامت ثوبانہ شاہ پہ ٹوٹی تھی اور ایک دروازے پہ کھڑی لائبہ واحدی پہ۔

"صرف اتنا کہا ہے کہ کچھ رشتوں کو بچانے کے لیے اسے قربانی دینی پڑ رہی ہے۔"

ثوبانہ کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

☆ ☆ ☆

"ایک بات پوچھوں عمر خان!" جبار خان نے سامنے بیٹھے عمر خان کو مخاطب کیا جو آج کافی دنوں بعد بھائی کی طرف آئے تھے۔ زیاد واپس اسپتال چلا گیا تھا۔

"جی خان لالہ پوچھیں۔" وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

"تم زیاد خان کے رشتے سے انکاری کیوں ہو گئے ہو۔ ایسا کیا ہوا ہے وہاں، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم کبھی زیاد کو وہ دکھ نہیں دینا چاہو گے جو تم نے خود سہا ہے۔" ان کا سوال اس وقت عمر خان کے لیے غیر متوقع تھا۔ کمرے میں داخل ہوتی فاطمہ کے قدم زینہ نے جکڑ لیے۔ وہ خان لالہ کو سلام کرنے کی نیت سے آئی تھیں۔

"لالہ! وہ ثوبانہ کی بھانجی ہے۔"

"وہ تمہاری شہر والی بیوی؟" وہ جھٹکے سے سیدھے ہوئے۔

"جی وہی۔۔۔ وہ ابھی بھی میرے نام پہ بیٹھی ہے۔ خان لالہ! انہوں نے زیاد اور ساریہ کے رشتے کو مسترد کر دیا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں فاطمہ کو اپنی زندگی سے نکال دوں۔ تب وہ ساریہ اور زیاد کے رشتے کے لیے ہاں کریں گے اور ثوبانہ میری زندگی میں واپس آئے گی۔" عمر خان نے جبار خان کو بتا کے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

"تو پھر تم نے کیا سوچا ہے؟"

"خان لالہ! فاطمہ میری ذات کا حصہ بن چکی ہے۔ میں ثوبانہ کی یہ بات نہیں مان سکتا۔"

"اف خان! کیا ہو تم۔۔۔ جس کی خاطر تمام عمر مجھے پیار سا رکھا، آج میری خاطر اسے جھٹلا رہے ہو۔ جدا کرنے پہ تیار ہو۔" فاطمہ بی بی کے دل میں ہوک سی اٹھی۔

"لیکن عمر! تمہارے بچے، کیا ان کا کوئی حق نہیں ہے؟"

"خان لالہ! بات حالات کی ہے۔ اب فاطمہ میرے بچوں کی ماں ہے۔ اس نے میری محبت میں عمر گزاری ہے۔ لیکن یوں محبت میں سرخرو ہونے میں انسانیت کا زوال ہے۔ کیا وہ میری خاطر فاطمہ کو قبول نہیں کر سکتی۔ کیا محبت کرنے والوں کے دل اتنے چھوٹے ہوتے ہیں؟" عمر خان اذیت سے چیخ اٹھے۔

"محبت کرنے والوں کے دل محبوب کے معاملے میں انتہائی تنگ ہوتے ہیں عمر!"

"نہیں خان لالہ! میں جو رو، رو کے ثوبانہ سے مانگ رہا ہوں، اگر فاطمہ کو اس کی بھنک بھی پڑ گئی تو سب کچھ قربان کر دے گی۔" وہ یقین کی آخری حد پہ تھے۔ "مگر میں فاطمہ کو اب خود سے دور نہیں کر سکتا۔"

"اس کا صاف مطلب تو یہ ہوا کہ فاطمہ تمہارے لیے ثوبانہ سے زیادہ اہم ہو چکی ہے۔"

"خان لالہ یہ حقیقت ہے۔" وہ انکار نہ کر سکے۔

"ثوبانہ کو یہ شکوہ ہے کہ اسے میری محبت نہیں ملی۔ لیکن فاطمہ کو تو یہ کہنے کا بھی حق نہیں ملا۔" وہ تلخی سے بولے۔

"اور زیاد۔"

"زیاد کو اپنی ماں کے لیے قربانی دینی پڑے گی۔ کیا وہ ساریہ کی خاطر اپنی ماں کو اس عمر میں رسوا کر دے گا۔ کیا وہ چاہے گا کہ اس کی ماں اس عمر میں بدنامی کا ٹیکا ماتھے پہ سجا کے حویلی سے نکالی جائے؟" عمر خان نے کہا۔ ان کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔

☆ ☆ ☆

"میں نے اپنی بیٹی سے اس کی محبت چھین لی۔ ثوبانہ کو بھی خواب دکھائے مگر سب الٹ ہو گیا۔ سب چھن گیا۔ نہ ساریہ کے چہرے پہ ہنسی رہی اور نہ ثوبانہ کی امیدیں باقی رہیں، میں کیا کروں۔۔۔ مگر ابھی میں نے ہار نہیں مانی عمر خان۔۔۔ ابھی تو صرف ایک ہی مہرہ پٹا ہے۔ ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔"

وہ اٹھیں اور ٹیلی فون ۔۔۔ نمبر ملانے لگیں۔ انہوں نے عمر خان یا زیاد خان کے موبائل پہ ملانے کے بجائے لینڈ لائن پہ نمبر ملایا۔

"ہیلو۔۔۔ مجھے فاطمہ بی بی سے بات کرنی ہے۔"

"جی کون فرمائیں۔" فاطمہ بی بی کی ٹھہری ہوئی آواز ماؤتھ پیس میں گونجی۔

"میں ساریہ کی ماما بات کر رہی ہوں۔"

"جی السلام علیکم، کیسی ہیں آپ۔" فاطمہ بی بی بمشکل اپنے جذبات پہ قابو کر کے بولیں۔

"فاطمہ! میں آپ لوگوں کے انکار کی وجہ جاننا چاہتی ہوں؟" انہوں نے بنا کسی تمہید کے بات شروع کی۔

"ارے ایسا تو کچھ نہیں ہے۔ ہم جلد اپنی امانت لینے آئیں گے۔" کہتے ہوئے فاطمہ بی بی کا دل خون کے آنسو رو پڑا۔

"لیکن زیاد نے تو فون کر کے انکار کر دیا ہے۔ میری بچی کی حالت خراب ہو گئی ہے۔" انہیں یقین نہ آیا۔

"وہ بچہ ہے، جلد گھبرا جاتا ہے، آپ بالکل فکر نہ کریں، ہم جلد ہی آئیں گے، یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔"

"مگر۔۔۔"

"آپ کی ہر شرط مجھے منظور ہے۔" فاطمہ بی بی نے کچھ اس انداز سے کہا کہ لائبہ واحدی سوچ میں پڑ گئیں۔ کیا وہ سب جان چکی ہیں اور زیاد خان بھی۔۔۔ اس کے باوجود وہ لوگ آنا چاہ رہے تھے۔ اس کا مطلب ہے ثوبانہ کو اس کا حق مل رہا ہے۔

وہ اٹھیں اور سیدھی ثوبانہ کی طرف آ گئیں۔

"ثوبانہ! صبح فاطمہ بی بی کا فون آیا تھا۔"

ثوبانہ شاہ نے بے یقینی کی کیفیت میں ان کی جانب دیکھا۔

"وہ لوگ ایک دو دنوں میں آنا چاہ رہے ہیں۔"

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ میری نحوست کے سائے ساریہ پہ بھی پڑ گئے ہیں۔" وہ ہاتھ اٹھا کے بولیں۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"مگر آپی اب کے میرا نام درمیان سے نکال دیں۔" وہ تلخی سے بولیں۔

"لیکن ثوبانہ! میں تمہاری جنگ بھی جیت گئی ہوں۔ اسے ہر شرط منظور ہے۔ فاطمہ نے خود کہا ہے۔" لائبہ واحدی نے خوشی خوشی بتایا۔

"فاطمہ نے بتایا ہے۔ آپ نے یہ جنگ عمر خان سے لڑنی تھی جو فاطمہ کے نام سے اور وجود سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں۔ میں محبت میں اپنی شکست تسلیم کر چکی ہوں۔۔۔ فاطمہ۔۔۔ اب وہ صرف اپنے بیٹے کی محبت کی بازی جیتنا چاہ رہی ہے اور وہ جیتے گی۔ وہ تب بھی جیت گئی تھی جب اس کے ہاتھ خالی تھے۔ اب تو اس کے بیٹے کے ساتھ ہماری اپنی بیٹی کی خوشیاں

بھی مشروط ہیں۔ اسے جیتنا آتا ہے آپی! وہ جیت چکی ہے۔"

"لیکن ثوبانہ! میں تمہاری خاطر ساریہ کی خوشیوں کی قربانی دے سکتی ہوں۔"

"مت بولیں ایسے' اولاد شطرنج کا مہرہ نہیں ہوتی آپی۔" وہ غصے سے بولیں۔

"ثوبانہ۔۔۔"

"آپی صرف دعا کریں کہ اللہ ہماری اولاد کو سکھ سے نوازے' ہمارا وقت گزر چکا ہے۔"

☼ ☼ ☼

"ہیلو شمیلا۔۔۔ کیسی ہو۔" فیض کے دل کی کلی اسے دیکھ کے کھل اٹھی' وہ خاموش رہی۔

"کہاں غائب تھیں اتنے دنوں سے۔" وہ بنا کوئی تاثر دیے آگے بڑھ گئی۔ جب طے ہو گیا تھا کہ اسے نہیں دیکھنا تو پھر نہیں دیکھنا تھا۔ چاہے پل صراط سے ہی گزرنا پڑے۔

"شمیلا! کیا ہو گیا ہے تمہیں' میں کتنے دنوں سے تمہارا ویٹ کر رہا تھا۔ میں نے اپنی ماما سے بات کر لی ہے' وہ تمہارے والدین سے ملنا چاہ رہی ہیں۔" وہ زچ ہو کر بولا۔

"آئی ایم سوری فیض! یہ ممکن نہیں۔ آئندہ کوشش کیجیے گا کہ میرے راستے میں نہیں آئیں۔" وہ بے رخی سے کہہ کے وہاں سے نکل گئی اور وہ دیکھتا رہ گیا۔

شمیلا کیسے اس کی حوصلہ افزائی کرتی۔ جب حویلی میں ایسے حالات نے جنم لیا کہ جس نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔ ہر کوئی ایک دوسرے کی پہنچ سے دور ہو گیا تھا۔ اماں اور بابا جان کے درمیان سرد جنگ پھر چھڑ گئی تھی۔ زیادلالہ سے ان کا پیار چھن گیا تھا۔ لالئی کی زندگی کس طوفان سے آشنا ہو گئی تھی۔ یہ اب اسے اماں سے پتا چلا تھا۔ ایسے میں وہ کیسے توقع کرتی کہ وہ اپنی محبت پالے گی۔ اس نے بہت سوچ کے اپنے قدم موڑے تھے۔

"شمیلا کوئی ناراضی ہے کیا۔" وہ پھر اس کے سامنے تھا۔

"ہمارے درمیان کوئی ایسا رشتہ ہے بھلا؟" وہ بدلحاظی سے بولی۔

"ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے۔ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ تمہیں کس بات پہ غصہ ہے' میں نہیں جانتا۔ میں پھر تم سے بات کروں گا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کے چند لمحوں کے لیے رکا اور اپنے ڈپارٹ کی طرف بڑھ گیا۔

شبیر نے اس کے چہرے پہ چھائی سنجیدگی کو محسوس کیا' مگر کوئی سوال نہ کیا۔ وہ بجھے ہوئے ذہن کے ساتھ الیکشن کی سرگرمیوں میں حصہ لے رہا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اگر مخلص دوستوں کا حصار نہ ہوتا تو وہ کب کا ہار مان چکا ہوتا۔ فیض جب شبیر اور باقی گروپ کے ساتھ ووٹ مانگنے ان کے ڈپارٹمنٹ آیا تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ اس کی مقبولیت کا گراف کافی اونچا تھا اور اونچی اڑان والے سب سے پہلے شکار ہوتے ہیں۔ مخالف گروپ نے شمیلا کے ساتھ اس کا سکینڈل بنا دیا۔

اس ساری صورت حال کا نتیجہ وہی ہوا کہ فیض مخالف گروپ والوں سے الجھ پڑا جنہوں نے اس پہ فقرے کسے تھے اور بات جھگڑے سے ہوتی ہوئی فائرنگ میں بدل گئی اور فیض شدید زخمی ہو گیا۔ یونیورسٹی کو پولیس نے گھیر لیا۔

دو اور طالب علم بھی زخمی تھے۔ مگر فیض کی حالت تشویش ناک تھی۔ آدھے سے زیادہ اسٹوڈنٹ اسپتال پہنچ چکے تھے۔

شمیلا دیوانوں کی طرح روتی اسپتال پہنچی۔ شبیر پتھر بنا دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔

"شبیر۔۔۔" لائبہ واحدی جو اسپتال میں ساریہ کے ساتھ تھیں۔ آپریشن تھیٹر کے سامنے شبیر کو دیکھ کر ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"خالہ جانی۔۔۔ فیض کو گولیاں لگ گئی ہیں۔" وہ ان کے ساتھ لگ کے رو دیا۔

"ہائے میرا بچہ۔" انہوں نے سینہ پیٹ ڈالا۔ "میرا لاڈلا فیض۔۔۔ ہائے میری بہن جیتے جی مر جائے گی۔ اے مالک تو رحم کرنا۔" شبیر کے موبائل پہ بار بار ثوبانہ شاہ کی کالز آ رہی تھیں۔ انہیں ٹی وی سے یونیورسٹی میں ہنگامے کی خبر ملی تھی۔

اتنے میں وقار واحدی اور عبید بھی آ گئے اور وہی جا کے ثوبانہ کو بھی لائے۔

اسے کتنی ہی خون کی بوتلیں لگ چکی تھیں۔ ڈاکٹرز کچھ بھی نہیں بتا رہے تھے۔ اذیت و تکلیف کے لمحات طویل ہوئے جا رہے تھے۔ ساریہ سے بھی صبر نہ ہوا تو وہ آپریشن تھیٹر میں چلی گئی۔ وہ خوب صورت اسمارٹ سا فیض اب بے بس سا آکسیجن کے سہارے پڑا تھا۔ جو اپنے کپڑوں پہ اڑتی دھول نہیں پڑنے دیتا تھا' آج خون سے رنگے ہوئے کپڑے اس کے بدن پہ تھے۔ خون اس کے جسم سے بہے جا رہا تھا۔ وہ برداشت نہ کر پائی اور باہر نکل آئی۔

"ساریہ۔۔۔" شبیر بھاگ کے اس کی طرف آیا۔

"اللہ سے دعا کرو شبیر! وہ سب کی سنتا ہے۔" وہ کیا کہتی۔

"آپ نے اسے دیکھا ہے نا۔ وہ کچھ بول رہا ہے کیا۔" شمیلا یقیناً" دیوانی ہو چکی تھی۔ اگر ذرا سا بھی ہوش مند ہوتی تو یہ سوال نہ پوچھتی کہ اس کا تعلق جہاں سے تھا' وہاں تو ان باتوں پہ قتل جائز تھا۔

ثوبانہ شاہ اٹھیں اور اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھام کے اسے دیکھنے لگیں۔ انہیں اس کے چہرے پہ اپنے فیض کی محبت نظر آ رہی تھی۔ وہ ان سے لپٹ کے رونے لگی۔

"تم میرے فیض کی دلہن ہونا۔۔۔ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے ہم سب کی محبت واپس لے آئے گی۔"

"ان شاء اللہ۔۔۔" شمیلا نے بے ساختہ کہا اور اللہ نے ان کی سن بھی لی۔ ڈاکٹر نے خیریت کی خبر دے دی۔

☼ ☼ ☼

"کیا لالہ تمہارے کمرے میں نہیں آتے۔" مرجانہ نے اس کا ہاتھ تھام کے پوچھا تو اس نے سر جھکا لیا۔ "لالئی میری بات کا جواب تو دو۔"

"نہیں۔۔۔" مختصر جواب آیا۔

"کیا بہت ناراضی ہے تم دونوں میں۔ تم ہی انہیں منا لو' جھک جاؤ' اس میں کوئی بے عزتی نہیں ہے۔" وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"میرا بچہ۔۔۔ کیا ملا ہے اسے شادی کر کے تجھ سے سوائے اس ذلت کے۔ کیا خوشی ملی ہے اسے تجھ سے۔" تائی اماں کمرے میں آئی تھیں۔ وہ سر جھکائے انگلیاں مروڑتی رہی۔ دل میں تو طوفان اٹھ رہے تھے۔

"لالئی! ایک بات یاد رکھنا۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں ہر رشتہ بھول جاؤں گی۔" وہ خونخوار لہجے میں بولیں' تو وہ ڈر گئی۔ "اس کا خیال رکھو' بیوی ہو اس کی۔" وہ تو حکم صادر کر کے چلی گئیں۔

وہ دریدہ دامن کے ساتھ اٹھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے کمرے کا دروازہ بجا کے اندر آ گئی۔ ریبط نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

شادی کے بعد یہ پہلی بار دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔

"ریبط! یہ کھول دیں۔" وہ اپنا نازک خوب صورت ہاتھ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔ جس پہ ریشم کا دھاگا بدستور موجود تھا۔ اس نے نظریں پھیر لیں۔

"ریبط! مجھے بالکل اسی طرح قبول کر لیں جیسے اس ناجائز بچے کو تسلیم کر لیا ہے۔"

"جاؤ اپنے کمرے میں۔۔۔" وہ چلا اٹھا۔

"اب نہیں جاؤں گی۔" اس کا ہاتھ اب بھی اس کے سامنے تھا۔ "میں جانتی ہوں کہ بدکردار عورت کا شوہر اس کی انگلی کو ساری عمر اس زنجیر سے آزاد نہیں کرتا مگر آپ تو جانتے ہیں میں بدکردار نہیں ہوں۔" وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ "آپ جانتے ہیں یہ آپ کا بچہ ہے۔ آج آپ جو کر رہے ہیں' وہ کل آپ کے لیے گلے کا پھندہ بن جائے گا ریبط! بیٹا ہو تو گمنامی کے جنگل میں کہیں کھو جائے گا اور اگر خدا نے بیٹی دی

تو اس کے لیے یہ لفظ ناجائز... گالی بن جائے گا' سہ پائیں گے آپ؟" وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔

کتنے ہی دن اسی کشمکش میں گزر گئے۔ اس نے سچ ہی کہا تھا کہ اب وہ اپنے ہی جال میں پھنستا چلا جا رہا تھا۔

دوسری طرف تائی اماں اب اسے خود ریحط کی طرف بڑھنے کے لیے مجبور کر رہی تھیں کہ وہ جانتی تھیں کہ لالئی ان کے بیٹے کی اولین خواہش تھی اور اپنے بیٹے کو اس طرح ادھورا دیکھنا انہیں منظور نہ تھا۔

"لالئی! ریحط کو چائے دے آؤ۔ وہ اس وقت چائے پیتا ہے۔"

"جی..." وہ اٹھی اور چائے بنا کے اس کے کمرے میں چلی آئی۔ "چائے لے لیں۔"

اس نے ایک لمحہ کے لیے نظریں اٹھائیں۔ وہ سفید کپڑوں میں ملبوس تھی۔ سرخ و سفید چہرے پہ زردی چھا گئی تھی۔ اس کے ہلکے گولڈن ریشمی بال دوپٹے سے صاف نظر آ رہے تھے۔ ریحط ہمیشہ اس کے بالوں کی لمبی بل کھاتی چوٹی شرارت سے کلائی پہ لپیٹ لیتا اور اس کے کان میں دھیرے سے سرگوشی کرتا۔ "کون کافر اس زنجیر سے آزاد ہونا چاہے گا۔" آج سب کچھ دھندلا گیا تھا۔

"یہ چائے پی لیں۔" اس کے جواب نہ دینے پر وہ چائے کا کپ بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے بولی تو وہ غصے سے اسے ہلکا سا دھکا دے کر باہر جانے لگا۔ وہ لڑکھڑا کے ٹیبل سے جا ٹکرائی۔

میز کا کونا بری طرح اس کے پیٹ میں لگا تو اس کی چیخیں نکل گئیں۔

وہ گھبرا کے اس کی طرف مڑا۔ وہ پیٹ پہ ہاتھ رکھے بری طرح تڑپ رہی تھی۔

"لالئی... لالئی..." اس کی بے قراری بے پناہ تھی۔ تائی اماں اور مرجانہ اس کی چیخوں پہ دوڑی چلی آئیں اور اس کی حالت دیکھ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"کیا ہوا ہے اسے ریحط۔" انہوں نے گھبرا کے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"اماں دھکا لگ گیا تھا۔" وہ سر جھکا کے بولا تو مرجانہ نے شکوہ بھری نگاہوں سے بھائی کو دیکھا۔

"اسے اسپتال پہنچاؤ' مجھے لگتا ہے خدا ہمیں اس عذاب سے نکالنے والا ہے۔" ریحط کے دل پہ ہاتھ پڑا۔

"اے اللہ! میرے بچے کو اپنی امان میں رکھنا۔" ریحط نے دعا کی۔

اسپتال میں جب ڈاکٹر نے خیریت کی اطلاع دی تو اس کی جان میں جان آئی۔

"شکر ہے اللہ کا ماں اور بچہ دونوں خیریت سے ہیں۔ لیکن بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپ کی مسز کا ایچ بی بہت کم ہے۔ میں نے وٹامن اور کچھ اور میڈیسن لکھ دی ہیں۔ پیشنٹ کو مکمل بیڈ ریسٹ پہ رکھیں اور دو ہفتوں بعد دوبارہ چیک اپ کے لیے لے آیئے گا۔" انتہائی پروفیشنل انداز میں بات کر کے ڈاکٹر پلٹ گئی۔

"کاش! ہم اس اذیت سے آزاد ہو جاتے۔" آرشین جان نے افسردگی سے کہا تو فاطمہ بی بی جو کچھ دیر پہلے ہی مرجانہ کی اطلاع پہ آئی تھیں' شرمندہ ہو گئیں۔

"ریحط میری بات سن۔" حویلی واپس آئیں تو آرشین جان نے ریحط کو پکارا۔

"جی اماں۔"

"میرے بچے! میں تیری اذیتوں کا اندازہ کر سکتی ہوں۔ مگر اب جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ تو خود کو اب زندگی کی طرف موڑ۔ میں جانتی ہوں کہ تو اب بھی لالئی سے اتنی ہی محبت کرتا ہے' جتنی پہلے تجھے اس سے تھی۔ رہی بات اس ذلت کی تو اس سے چھٹکارا تجھے تیری ماں دلائے گی۔" انہوں نے کہا تو ریحط نے ماتھے پہ آئے پسینے کو صاف کر کے ان کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"بس یہ تو اپنی ماں پہ چھوڑ دے۔" ریحط کا پورا وجود سلگ اٹھا کہ یہ آگ اس کی اپنی لگائی ہوئی تھی' جس کے شعلے بلند ہوتے جا رہے تھے۔

"اماں..." لالئی نے سچ کہا تھا کہ وہ اپنے ہی جال میں پھنستا جا رہا تھا۔ اس نے چاہا تھا کہ زیاد کو انتقام کی رسی سے باندھ کے اپنی بہن مرجانہ تک لے آئے گا

مگر بابا جان نے اس رسی کی گرہیں ہی کھول دی تھیں۔ کہہ کے کہ زیاد چاہے بھی تو یہ رشتہ نہیں بندھ سکتا' وہ زیاد کو ساریہ کے ساتھ ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔

دل تو چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کے سارے زمانے کو بتائے کہ یہ اس کا ناجائز بچہ ہے۔ ریحط خان کا بچہ مگر ساری چیخیں اندر ہی گھٹ کے رہ گئیں۔

وہ رات دیر سے کمرے میں آیا۔ وہ کروٹ کے بل لیٹی تھی۔ اس کی خوب صورت آنکھوں پہ پلکوں کی جھالر پر آنسو موتیوں کی صورت چمک رہے تھے۔ دودھ کا گلاس اسی طرح بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھا تھا۔ ڈاکٹر کی باتیں یاد آئیں تو وہ بنا کچھ سوچے آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ گھبرا کے اٹھی۔

وہ اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیے کتنی دیر خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا اور دھیرے دھیرے اس کی انگلی سے ست رنگی ریشمی دھاگا کھولنے لگا۔ لالئی بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

"لالئی! ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔" وہ خاموش رہی۔ میں مرجانہ کے آنسوؤں کی اذیت دیکھ نہیں پایا تھا۔" وہ بول رہا تھا اور اس کی زبان بند تھی' پتھر بنی رہی۔

"تم جانتی ہو کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔" وہ تڑپ کر بولا۔

"مجھے تو ایک ہی ریحط خان یاد ہے۔ جس نے کاکا جی' تائی جی' زیاد لالہ اور میری ماں کے سامنے مجھ سے میرے ناکردہ گناہ کو تسلیم کروایا تھا۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولی۔

"لالئی... میں تمہیں اتنا پیار دوں گا کہ تم سب بھول جاؤ گی۔ میں نے زخم دیا ہے تو مرہم بھی میں ہی رکھوں گا۔ لیکن مجھے معاف کر دو' یہ دیکھو میرے ہاتھ جڑے ہیں' مجھے معاف کر دو۔" وہ اس کے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگا کے رو دیا۔

"دعا اس وقت اثر کرتی ہے جب انسان زندہ ہوتا ہے' مردوں کو تو دعاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔" وہ مایوسی سے بولی۔

"لالئی! میں انتقام میں اندھا ہو گیا تھا' مگر وہ گناہ نہیں تھا' تم میری بیوی تھیں۔"

"اچھا... تو پھر اب میں کس بات کی معافی دوں آپ کو؟"

"لالئی... مجھے معاف کر دو۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"معاف کر دوں گی اگر..." وہ رکی۔

"اگر..." وہ جلدی سے بولا۔

"اگر مجھے طلاق دے دو تو... معاف کر دوں گی۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تو وہ پیچھے ہٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

"اسی دن کو روتی تھی میں' کتنا سمجھایا تھا کہ اس طرح کے کاموں میں نہ پڑو۔" فیض ہوش میں آیا تو ثوبانہ اس کا ہاتھ تھام کے بے حوصلہ ہو گئیں۔

"ماں... ما..." وہ نقاہت سے صرف اتنا ہی بول پایا۔

"مار کے رکھ دیا ہے تم نے ماما کو۔" وہ دکھی آواز میں بولیں تو شبیر نے ماں کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"ماما! اللہ کا شکر ہے' یہ بالکل ٹھیک ہے۔" وہ فیض کی نیم بے ہوشی کی کیفیت کو دیکھ کے آہستگی سے بولا۔

"آپ سب شکوے بعد میں کر لیجیے گا' ابھی اسے سکون میں رکھنا ہے۔"

اس کے بعد جتنے دن وہ اسپتال میں رہا شبیر نے ایک لمحے کے لیے آنکھ نہ جھپکی۔

ساریہ بھی کافی بہتر ہو گئی تھی' اس لیے اسپتال آنا شروع کر دیا تھا۔ دن میں کئی دفعہ اس کی طرف چکر لگاتی۔

"شبیر! ایک بات پوچھوں۔" فیض نے کچھ سوچتے ہوئے شبیر کو متوجہ کیا' جو اس کے لیے سوپ نکال رہا تھا۔

"ہوں بولو..." وہ اس کی جانب مڑا۔

"کیا شمیلا مجھے دیکھنے آئی تھی؟"

"ارے ایسا ویسا' وہ تو دیوانہ وار بھاگتی آئی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کے ماما نے اندازہ لگا لیا کہ وہی ان کے

فیض کی پسند اور ہونے والی دلہن ہے۔" وہ مسکرایا۔
"لیکن اب وہ کیوں نہیں آرہی۔ دیکھو سب دو' دو' تین' تین دفعہ آرہے ہیں۔" اس نے کہا۔
"ظاہر ہے یونیورسٹی بند ہے تو وہ بھی اپنے گھر گئی ہوئی ہوگی۔"
"لالہ! مجھے نہیں کروانی سرجری۔" ایک لڑکی اپنے بھائی کا بازو تھام کے رو رہی تھی۔ شبیر کسی کام سے فیض کے کمرے سے نکلا تو اس نے کاریڈور میں دیکھا۔
"پاگل ہوگئی ہو' کیوں نہیں کروانی سرجری۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ تم بالکل ٹھیک ہوجاؤ گی۔ تمہیں ذرا احساس نہیں کہ ہم سب تمہاری وجہ سے کتنے پریشان ہیں۔ اماں' بابا جان اور وہ تمہاری بھابھی' اس دن بھی تمہیں سمجھا رہی تھی۔"
"چلو اٹھو' اب کوئی فضول بات نہیں ہوگی۔" وہ دونوں اٹھے تو شبیر نے دیکھا کہ اس کے چہرے پہ بدنما سے دو نشانات تھے۔ شاید ان ہی کے لیے اس کا بھائی پلاسٹک سرجری کا کہہ رہا تھا۔
"عجیب لڑکی ہے۔ شکر نہیں کررہی کہ علاج ہورہا ہے۔ ورنہ ایسی بدصورت سے کون شادی کرے گا۔" شبیر خود سے بولا اور سر جھٹک کے باقی لوگوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔
"تم کہاں تھے شبیر۔" وہ کمرے میں آیا تو فیض نے پوچھا۔
"میں خدا کی خدائی دیکھ رہا تھا۔" وہ مسکرایا۔
"خدا کی کوئی حسین مخلوق تو نہیں دیکھ لی' دل تو نہیں آگیا کسی پہ۔" اس نے چھیڑا۔
"ارے نہیں یار۔۔۔ ایک ہی لڑکی دیکھی جس کی صورت کو گرہن لگا ہوا تھا۔ اس پہ ترس تو کھایا جاسکتا تھا۔ دل جیسی قیمتی چیز نہیں لٹائی جاسکتی۔" وہ چند لمحوں کے لیے خدا کی ذات کو جیسے بھول گیا تھا۔
"توبہ کرو شبیر! کیا فضول بول رہے ہو۔" فیض نے ڈانٹا تو اس نے جھٹ کانوں کو پکڑ لیا۔

☆ ☆ ☆

"زیاد! تم اسپتال کیوں نہیں جارہے؟" فاطمہ بی بی اس کے کمرے میں آئیں تو اسے گہری سوچ میں گم دیکھتے ہوئے محبت سے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔
"اماں! آپ تو جانتی ہیں کہ یہ پیشہ کتنا نازک ہے۔ اس میں ذرا سی کوتاہی سے کسی کی جان بھی جاسکتی ہے۔ میں نے کچھ دنوں کے لیے چھٹی لے لی ہے جب سیٹ ہوجاؤں گا تو کرلوں گا۔" اس نے کچھ بھی دل میں رکھے بنا کہا۔
"میرے بچے اللہ بہتر کرے گا۔ وہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بنا کے اسے تیرے مقدر میں لکھ دے گا۔"
"چھوڑیں اماں! آپ بھی شاید دل سے دعا نہیں کرتیں' ورنہ ماں کی دعا بھلا عرش سے ناکام لوٹتی ہے۔" زیاد نے کچھ اتنی حسرت سے کہا کہ فاطمہ بی بی تڑپ کے رہ گئیں۔
"صرف دو' تین دن مجھے دو۔۔۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تم مایوس نہیں ہوگے۔ میں خان کو منالوں گی۔"
"اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ساریہ کو انکار کردیا ہے۔" اس نے سر جھکا کے بتایا۔
"جس کے صدمے کی وجہ سے وہ دو دن اسپتال میں رہی۔" فاطمہ بی بی نے کہا تو وہ چونکا۔
"بیٹا! جب بندہ کسی کا ہاتھ تھامے تو اسے بیچ بھنور میں نہیں چھوڑتا۔ محبت تو دعا ہے۔ اسے بے توقیر کرنا انسان کو زیب نہیں دیتا۔"
"اماں کیا کاکا جی ہمیشہ صرف قربانیاں دیتے ہی رہیں گے۔ کیا ہمارا کوئی فرض نہیں۔ اگر ربیط خان نے ہماری ذلت کو اپنے گلے کا ہار بنایا ہے تو میں مرجانہ کے تاریک مستقبل کو دیکھتے ہوئے ان کے لیے قربانی نہیں دے سکتا؟" اس نے اپنے دل پہ قیامت کا جبر کیا تھا۔
"تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹا! مگر میری خواہش ہے کہ میرے بیٹے کی محبت اسے ملے۔"
فاطمہ بی بی کے نہ چاہنے کے باوجود زیاد خان نے اپنی خواہش کا اظہار عمر خان کے سامنے کردیا۔ وہ کتنی دیر حیرت سے اسے دیکھتے رہے۔ وہ جو کچھ دن پہلے تک

ساریہ کے بغیر مرجانے کی باتیں کرتا تھا' آج اس سے دستبردار ہونے کو تیار ہوگیا تھا۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ ان کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا مگر جبار خان عمر خان کی بات سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئے اور انکار کردیا۔
"خان لالہ! یہ بات خود زیاد نے کی ہے' میں نے اسے نہیں کہا۔"
"اسے میری طرف بھیجنا' میں خود بات کروں گا۔"
عمر خان نے فوراً" نمبر ملایا اور اسے وہاں بلالیا۔ کچھ دیر بعد وہ ان کے سامنے تھا۔ عمر خان لالئی سے باتیں کرتے ہوئے باہر نکل گئے کہ خان لالہ کھل کے بات کرلیں۔
"کاکا جی! یقین کریں میں نے کسی دباؤ میں فیصلہ نہیں کیا۔"
"کوئی ایک مضبوط دلیل دے دو اس فیصلے کی' میں یقین کروں گا۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔
"سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ میں مرجانہ کو دکھی کرکے آپ سے شرمندہ ہوا ہوں۔ آپ تمام عمر ہمارے لیے ایک سایہ کی مانند رہے ہیں اور ربیط نے ہماری ذلت کو۔۔۔"
"اس بات کو تم چھوڑ دو۔۔۔ رہی بات میری محبت کی تو بیٹا! محبتیں بدلے نہیں مانگا کرتیں۔ مرجانہ اگر میری بیٹی ہے تو تم میرے بیٹے ہو۔ میں خود جاؤں گا اس بار عمر خان کے ساتھ ساریہ کے گھر والوں سے ملنے اور خبردار! دل میں کوئی فضول بات لائے تو۔" وہ محبت سے اسے ساتھ لگاتے ہوئے بولے تو وہ کچھ نہ بول سکا۔
"اور اگر احسان ہی اتارنا چاہتے ہو تو شاید کبھی ایسا وقت بھی آئے جب میرے ہاتھ تمہارے سامنے پھیلے ہوں۔"
"اللہ ایسا وقت کبھی نہ لائے۔"
فاطمہ بی بی نے جبار خان کا فیصلہ سنا تو سکون کی ایک لہر نے پورے وجود کا احاطہ کرلیا۔
"عمر خان اب میں اپنے بیٹے کی خوشیوں کی جنگ خود لڑوں گی۔"
"فاطمہ! میں نے کہا نا کہ اب ساریہ کا ذکر اس گھر میں نہیں ہوگا۔" عمر خان نے یہ جاننے کے بعد کہ فاطمہ ساریہ کے گھر جانا چاہ رہی ہیں' ان کی طرف چلے آئے۔
"خان! مجھے اس حکم عدولی کے لیے معاف کردیجئے گا۔ مگر میں اپنے بچے کے چہرے پہ خوشی دیکھنا چاہ رہی ہوں۔"
"میں کیسے سمجھاؤں تمہیں فاطمہ۔" وہ سر پکڑ کے گرنے کے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گئے۔

☆ ☆ ☆

"تم نے کمزور نہیں ہونا ثوبانہ۔۔۔ تمہیں فاطمہ سے مقابلہ کرنا ہے۔ وہ عورت قابل رحم نہیں ہے۔ اس نے تم سے تمہاری محبت چھینی تھی' آج تم اس سے اپنی وہ جگہ چھین لو جس پہ وہ شان سے قبضہ کیے بیٹھی ہے۔"
"مگر آپی۔۔۔" وہ شاید پیچھے ہٹنا چاہ رہی تھیں۔
"ثوبانہ۔۔۔ ساریہ' زیاد کو صرف ایک صورت میں پاسکتی ہے' جب تمہیں تمہاری حیثیت ملے گی۔"
"لیکن آپی۔۔۔" وہ الجھنے لگیں۔ دوسری طرف ساریہ بے یقینی سے موبائل کو دیکھ رہی تھی' جس پہ کچھ دیر پہلے زیاد خان نے ایک دفعہ پھر اسے امید کی راہ دکھائی تھی۔
"ماما! کل زیاد اور اس کی اماں آرہی ہیں۔" ساریہ نے ماں کو بتایا تو وہ دل ہی دل میں عمر خان کی بزدلی پر مسکرادیں۔
ساریہ کے جانے کے بعد لائبہ واحدی نے ثوبانہ کو فون ملایا۔
"ثوبانہ کل زیاد اور اس کی اماں آرہی ہیں۔" جواباً" ثوبانہ رو پڑیں تو لائبہ واحدی کے دل پہ چھریاں چلنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

وہ رات بھی عجیب تھی۔ زیاد خان کی آنکھ ایک لمحے کے لیے نہ لگی۔ جو دکھ رہا تھا سب ویسا ہی تھا۔ اسے

یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ اپنے بابا کو رسیوں سے باندھ رہا ہے۔

بابا کا ساریہ کے گھر خوشی خوشی جانا بنا کسی اعتراض کے اسے تسلیم کر لینا اور پھر بنا کسی وجہ کے اس کے رشتے سے پیچھے ہٹ جانا۔ آخر بابا کے اندر کیا جنگ چل رہی ہے۔ اماں کے جانے کا ارادہ جان کے بابا نے مجھے یہ کیوں کہا کہ اپنی ماں کا ہاتھ بہت مضبوطی سے تھامنا۔ تمہاری ماں کو سہارے کی ضرورت پڑے گی۔

دوسری طرف عمر خان تھے۔ وہ اب تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ فاطمہ کو ان کی زندگی سے نوچ کے الگ کر دیا جائے، جسے انہوں نے لڑ کے حاصل کیا تھا۔ زمانے والوں سے نہیں، بلکہ خود اپنے آپ سے۔ ثوبانہ پتا نہیں کیوں اتنی ظالم ہو رہی تھی۔

نیند تو فاطمہ بی بی کی آنکھوں سے بھی کوسوں دور تھی۔ بہت آسان تھا کشتی کو دریا میں اتارنا، مگر بہت مشکل تھا اسے پار لگانا۔

"کیا زندہ انسان کی روح بھی جسم سے الگ ہوئی ہے۔ تو پھر ہم کیسے ہو سکتے ہیں۔ میں یہ قربانی آپ کو ناراض کر کے نہیں خان! بلکہ آپ کو منا کے دوں گی۔" آخری پہرہ وہ اس نتیجے پہ پہنچیں۔

"زیاد، ہمیں صبح جلدی نکلنا ہے۔ اس لیے تم جا کے شام کو ہی لائبہ سے مل آؤ اور خان لالہ کو بھی بتا دینا۔ ویسے تو میں نے دن کو ان سے بات کر لی تھی۔" فاطمہ بی بی نے کہا تو وہ خاموش ہو گیا۔

"کوئی پریشانی ہے زیاد خان۔" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

"اماں! کیا بابا جان کی رضا کے بغیر جانا مناسب ہے۔ میں کیسے اپنے بابا کو صرف اپنی خوشی کے لیے ناراض کر سکتا ہوں۔" اس کی سوچ اسی مقام پہ آ کے رکتی تھی۔

"تم صرف مجھ پہ بھروسا رکھو۔ میں تمہارے بابا جان کو روٹھنے نہیں دوں گی۔ چلو اٹھو اور بہن کو مل کے آؤ۔" اسے بھیج کے فاطمہ بی بی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں اور وہ جبار خان کی حویلی آ گیا۔ لائبہ اور مرجانہ جامن کے اونچے درخت کے نیچے بیٹھی تھیں۔

"السلام علیکم لالہ۔" زیادہ خان کو دیکھ کے لائبہ تیزی سے اٹھی اور اس سے لپٹ گئی۔ حالانکہ زیاد خان کے اندر وہ محبت اور لگاؤ نہیں تھا جو اس کا خاصہ تھا۔

مرجانہ نے بھی دھیرے سے سلام کیا اور اندر چلی گئی۔ زیاد اداسی سے اس ٹوٹی پھوٹی لڑکی کو دیکھ کے رہ گیا۔

"لالہ مجھے معاف کر دیں۔" بھائی کے مہربان سینے سے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

"لائبہ! اماں کل ساریہ کے گھر جا رہی ہیں، تم دعا کرنا۔" زیاد نے کہا تو وہ مسکرا اٹھی۔

"اللہ تیرا شکر ہے، بابا جان مان گئے کیا۔" اس لمحہ وہی زیاد خان کی لاڈلی لائبہ اور وہ محبت لٹانے والا بھائی بن گیا۔

"اماں کہہ رہی ہیں کہ وہ مان جائیں گے۔" وہ جانے کے لیے اٹھا تو وہ اس کے سامنے آ گئی۔

"لالہ! کچھ چائے یا ٹھنڈ اتو لیں۔"

"لائبہ! کیا واقعی تم سے وہ گناہ ہوا ہے۔" زیاد خان نے اچانک پوچھا۔ اسے اکثر لگتا تھا کہ جیسے لائبہ بے گناہ ہے۔ اس کے چہرے پہ چھایا سکون اور نور اسے دن بدن پہلے سے زیادہ خوب صورت بنا رہا تھا۔

"اب اس سوال کا وقت گزر گیا لالہ۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"یہ چائے۔" اس سے پہلے کہ وہ اپنی الجھنوں کا سراغ پاتا مرجانہ کی آواز انہیں واپس کھینچ لائی۔ ٹرے میں پراٹھا اور چائے تھی۔

"ارے تم نے اتنا تکلف کر ڈالا۔" وہ مسکرایا۔ جواباً وہ صرف مسکرائی۔

"لالہ! مرجانہ نے زندگی سے تعلق بالکل ختم کر لیا ہے۔ نہ پڑھائی کا نام لیتی ہے، نہ کچھ بولتی ہے اور اب تو چہرے کے علاج سے بھی انکار کر دیا ہے۔ پلیز آپ اسے سمجھائیں۔ آپ کی بات وہ نہیں ٹالے گی۔"

"مرجانہ! کیوں کر رہی ہو ایسا۔"

"کیا کر رہی ہوں۔" اس کی ہرنی جیسی آنکھیں انھیں تو زیاد کو نظریں چرانی پڑیں۔

"تم نے پڑھنا کیوں چھوڑ دیا۔ ڈاکٹر کے پاس کیوں نہیں جاتی ہو؟" زیاد نے کہا تو وہ بے چینی سے اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔

"مرجانہ! میں جانتا ہوں کہ تمہیں مجھ سے تکلیف پہنچی ہے۔ جو میری خواہش نہیں تھی۔ لیکن میں نے کتنی دفعہ کہا ہے کہ تم میرے لیے لائبہ اور ملائبہ کی طرح ہو۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"ادھر دیکھو، میری طرف، میری گڑیا ہو تم، خبردار میں نہ دیکھوں کہ آئندہ تم یوں خود کو ٹارچر کر رہی ہو۔ میں شہر جاتے ہی ڈاکٹر سے ٹائم لیتا ہوں اور تمہیں ریحط کے ساتھ آنا پڑے گا۔ انکار کیا تو ناراض ہو جاؤں گا۔" وہ خاموش ہو گئی۔

"اور اب اسٹیڈیز بھی دوبارہ شروع کرو۔" وہ مسکرا دی کہ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے میں ہی بہتری تھی۔ چاہے جتنا بھی وقت لگ جائے۔

زیاد کو مرجانہ سے بات کر کے سکون ملا تھا۔ حویلی میں داخل ہوا تو بابا جان لاؤنج ہی میں بیٹھے تھے۔ وہ ان کی طرف چلا آیا۔

"بابا! بہت ناراض ہیں کیا۔" وہ ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گیا اور ان کی گود میں سر رکھ لیا۔

"نہیں تم سے کیا ناراضی۔ البتہ خود سے بہت شکوے ہیں۔" ان کے لہجے میں عجیب سی شکستگی اور حسرت تھی۔

"آخر کیوں بابا! کیا ہے جو آپ کو پریشان کر رہا ہے۔ میں آپ کا بیٹا، کیا آپ کے دکھ کو بانٹ نہیں سکتا۔ کیا اس قابل نہیں کہ آپ کے دکھ درد میں شریک ہو سکوں۔" زیادہ نے ان کے ہاتھ چومتے ہوئے ہونٹوں سے لگا لیے۔

فاطمہ نے انتہائی دکھ سے ان دونوں باپ، بیٹے کو دیکھا۔

"بابا! آپ مجھے میری بات کا جواب دیں کہ آپ نے یکدم فیصلہ کیوں بدل دیا۔" زیاد نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو انہوں نے اس لمحے فیصلے کر لیا کہ وہ زیاد کو ساری بات سچ سچ بتا دیں گے۔ وہ ان کا بیٹا تھا، ان کی تکلیفوں کو نہیں سمجھے گا تو پھر کون انہیں سہارا دے گا۔

"زیاد! دراصل بات یہ ہے کہ میں۔۔۔"

فاطمہ اسی لمحے اندر آ گئیں۔ جس کی وجہ سے عمر خان کو بات روکنی پڑی۔ جو فاطمہ بی بی چاہتی تھیں۔ عمر خان اٹھ کے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

ہر دن ریحط کی ذہنی اذیت پہلے سے بڑھتی جا رہی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا وہ شدید ذہنی دباؤ میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی اس حالت کا اندازہ لائبہ بخوبی کر سکتی تھی کہ سامنے بیٹھا شخص آخر اس کا محبوب تھا۔

"یہ دودھ پی لو لائبہ۔" ریحط نے دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا، جسے تھامنے سے اس نے انکار کر دیا۔

"یہ میرا بچہ ہے۔۔۔ باپ ہوں میں اس کا۔ خیال رکھو میرے بچے کا۔" وہ دہاڑا۔

"سب کی نظر میں یہ میرا گناہ ہے اور اس کا باپ شیر خان۔۔۔" ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ وہ دیوانوں کی مانند اس پہ ٹوٹ پڑا۔

"میں اپنے گناہ کا کفارہ خود کو ختم کر کے ادا کروں گا۔" اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کمرے سے نکلتی وہ اپنا پستول نکال چکا تھا۔

"نہیں نہیں ریحط! خدا کے لیے نہیں۔" وہ زور زور سے چیخنے لگی۔ اس کی چیخوں کی آواز پہ سب بھاگے چلے آئے۔

جبار خان کو اندر کے منظر نے دہلا دیا۔ آرشین جان تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ میرا ایک ہی تو بچہ ہے۔ اس کی زندگی بھائی کی محبت میں داؤ پہ لگا دی ہے آپ نے۔۔۔" آرشین جان نے روتے ہوئے اپنا سینہ پیٹ ڈالا۔

"اماں! خاموش ہو جائیں آپ..... مت میرا دماغ خراب کریں۔" وہ غصے سے کہہ کے نکل گیا اور وہ اسے بری طرح پیٹنے لگیں۔ جبار خان سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"کاکا جی..... مجھے واپس بھیج دیں....." وہ اٹھی اور جبار خان کے سامنے ہاتھ جوڑتے درخواست کی۔

"لالئی بچے..... ایک بات خدا کو حاضر ناضر جان کے بتاؤ کہ....."

"کاکا جی! خدا کے لیے اب یہ سوال مت پوچھئے گا۔ اس حساب کتاب کو روز حساب پہ چھوڑ دیں۔" وہ منہ پھیرتے ہوئے بولی۔

مرجانہ نے بہت کوشش کی مگر اب وہ رکنے کو تیار نہ تھی۔

اس نے شکر ادا کیا کہ حویلی میں اس کا سامنا کسی سے نہ ہوا۔ عمر خان کو طبیعت کی خرابی کا کہہ کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ مالئی کی یونیورسٹی کھل چکی تھی وہ بھی واپس چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

فاطمہ بی بی تو سمجھ رہی تھیں کہ وہ بہت بہادری سے سب سہہ لیں گی مگر ان کا تو پہلا قدم ہی لڑکھڑا گیا تھا۔ عمر خان کو کھونے کا احساس انہیں خون کے آنسو رلانے لگا۔ کچھ دیر بعد لائبہ واحدی اور ثوبانہ شاہ اندر داخل ہوئیں تو زیاد خان نے فاطمہ بی بی کو اپنے مضبوط بازوؤں میں لے کے اٹھایا اور تعارف کروایا۔

"آنٹی! میری اماں....."

"السلام علیکم....." فاطمہ بی بی نے آگے بڑھ کے لائبہ واحدی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جسے لائبہ واحدی نے تھاما تو ان کے ہاتھوں کی سختی فاطمہ بی بی کو اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوئی۔

"خوشی ہوئی آپ کے آنے کی....." وہ روایتی جملہ بولیں۔ یہ تو فاطمہ جانتی تھیں کہ انہیں کتنی خوشی ہوئی تھی۔

ثوبانہ شاہ نے فاطمہ بی بی کی شخصیت کا بغور جائزہ لیا۔ ان کی شخصیت کا وقار دیکھ کے دل میں حسد کی لہر نے انگڑائی لی اور جی چاہا کہ ان کی محبت کا یقین خاک میں ملانے میں ذرا تاخیر نہ کریں۔

"یہ میری بہن ہیں مسز شاہ....." فاطمہ نے پہچان لیا کہ وہی ثوبانہ ہیں۔ انداز سے سرد مہری صاف ظاہر تھی۔

"کیسی ہیں آپ....." وہ جواباً زیر لب کیا بولیں فاطمہ بی بی سمجھ نہ پائیں۔

ثوبانہ کی نظریں بھٹکتے ہوئے بار بار فاطمہ بی بی پہ جم جاتی تھیں۔

ان کے سامنے سلک کے انتہائی نفیس لباس میں جو عورت بیٹھی تھی اس کے اندر ایسا جادو تھا جو اس عمر میں بھی کسی بھی مرد کو ان کا دیوانہ بنا سکتا تھا۔

جادو گرنی کتنی بھی خوب صورت ہو..... اس کے جادو کا کوئی نہ کوئی توڑ ہوتا ہے اور ثوبانہ کے ہاتھ وہ توڑ لگ چکا تھا۔ اب انہیں عمر خان کو ان سے چھیننا تھا۔ وہ اس سے ہر قدم پہ تو نہیں ہار سکتی تھیں۔ کیا ہر مقام پہ ہار میرا ہی نصیب بنے.....؟ نہیں..... اب نہیں..... اب نہیں ہاروں گی۔

"مسز شاہ..... اب کیسی طبیعت ہے آپ کی....." زیاد بتا رہا تھا کہ پچھلے دنوں آپ کی طبیعت کافی خراب تھی۔" فاطمہ ثوبانہ شاہ کی طرف مڑیں۔

"ثوبانہ عمر خان....." ثوبانہ نے تعارف کرایا جس کی ضرورت نہیں تھی۔

"ثوبانہ! آپ بہت بہادر خاتون ہیں۔ آپ نے جس طرح زندگی گزاری ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اب آپ کو آپ کا حق اور مقام ملنا چاہیے۔" فاطمہ بی بی بھی خود کو زیادہ دیر پردے میں نہ رکھ سکیں۔

"وقت گزر جائے تو حق اور مقام بھی کھو جاتے ہیں۔"

"لیکن دل کے ٹکڑے کوئی زمین کا ٹکڑا نہیں ہوتے کہ جن پہ جو چاہے قبضہ کر لے..... جو ایسا کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ تمام عمر ہی بے نام رہتے ہیں۔" فاطمہ بی بی کی آواز بھرا گئی۔

"لگتا ہے آپ کے ہاتھ بہت کچھ لگ گیا ہے۔"

"اس کے سوا کچھ نہیں....." فاطمہ بی بی نے اپنی کلائی سامنے کرتے ہوئے کہا' جہاں سگریٹ سے داغا گیا ثوبانہ کا نام موجود تھا۔

یہ پہلا مقام تھا' جہاں ثوبانہ کو محسوس ہوا کہ عمر خان نے ان کی محبت کی لاج رکھی ہے۔

"خان نے میری تقدیر کا فیصلہ کسی کھو جانے والے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ میں اس کے فیصلے کے انتظار میں ہوں۔" فاطمہ نے دل پہ پتھر رکھتے ہوئے اصل بات کی۔

"فیصلہ تو ہو گیا....."

ان کی گفتگو کس پیرائے میں ہو رہی تھی دونوں بخوبی آگاہ تھیں۔

"کیا وہ فیصلہ جاننے کا اختیار ہے مجھے....."

"مجھے عمر کے ساتھ اس کا سایہ بھی قبول نہیں۔" وہ اتنے پتھریلے لہجے میں بولیں کہ فاطمہ بی بی کو لگا جیسے موت کی سزا سنا دی ہو۔

"ثوبانہ! محبت کرنے والوں کے دل تو بہت وسیع ہوتے ہیں..... کیا اس میں بے نام سا وجود نہیں رہ سکتا اس وعدے کے ساتھ کہ اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہو گا آپ کو....." فاطمہ نے اب کے کھل کے بات کی۔

"نہیں..... ہرگز نہیں..... بلکہ مجھے تو سکون ہی اس دن ملے گا جب تم بھی اسی طرح واپس جاؤ گی جس طرح تمہارے بھائی نے مجھے رسوا کر کے بھرے مجمع میں واپس بھیجا تھا۔" وہ سنگ دلی سے بولیں۔

"تب میں بھی تو رسوا ہوئی تھی....." وہ تڑپیں۔

"اس قصے کا اب وقت نہیں ہے اور آخری بات یہی ہے کہ ساریہ اور زیاد صرف اسی صورت میں ایک ہو سکتے ہیں کہ آپ راستے سے ہٹ جائیں۔"

فاطمہ کا دل کرچی کرچی ہوا۔

"ٹھیک ہے..... مجھے منظور ہے..... مگر ایک درخواست ہے کہ عمر خان کو اس بات کی ہوا بھی نہ لگے کہ آپ کے اور میرے درمیان کیا بات ہوئی ہے۔

زیاد خان کی شادی کے بعد میں خود خاموشی سے اس حویلی سے نکل جاؤں گی۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔" فاطمہ نے دل پہ جبر کر کے فیصلہ سنایا۔

ثوبانہ جانتی تھیں کہ عمر ایک بٹا ہوا شخص ہے اور فاطمہ کی موجودگی میں وہ کبھی ثوبانہ کا نہیں ہو سکتا تھا۔ حالانکہ فاطمہ کو معاف کر کے وہ عمر خان کے دل میں اپنی محبت کی فتح کا جھنڈا گاڑ سکتی تھیں۔ یہاں انہوں نے غلط پتا کھیلا تھا۔

زیاد خان اور ساریہ کے نکاح کی تاریخ پکی کر کے وہ خالی ہاتھ لوٹ آئیں۔

فاطمہ بی بی اپنے بیٹے کی خاطر سب کچھ داؤ پہ لگا آئیں..... زندگی ہار دی۔ عمر خان ان کی زندگی ہی تو تھے۔

"اماں آپ خوش تو ہیں۔" زیاد خان کو نجانے کیوں وہم ہو گیا تھا کہ فاطمہ بی بی خوش نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ عام دنوں سے زیادہ ہنس رہی تھیں کسی کہاوت کی طرح کہ خالی برتن زیادہ آوازیں نکالتا ہے۔

"اماں! میں ہسپتال جاؤں گا آج..... کل گاؤں کے لیے نکلیں گے۔" زیاد نے فلیٹ کی طرف گاڑی موڑتے ہوئے کہا تو فاطمہ بی بی نے شکر کیا کہ وہ آج خان کا سامنا کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"شبیر..... شبیر۔" فیض اسے ڈھونڈتا ہوا لائبریری میں آگیا۔

"آہستہ لائبریری ہے یہ....." شبیر نے گھورتے ہوئے کہا۔ امجد نے الگ گھوری ماری۔ مگر اس نے پروا نہ کی۔ شبیر کو کھینچ کے باہر لایا اور بتایا کہ ابھی آئلہ کا فون آیا تھا کہ شمیلا لوٹ آئی۔

"اس کا مطلب ہے اس کے گھر والوں کو اس واقعے کا علم نہیں ہوا اسی لیے وہ لوٹ آئی ہے۔ یقین کرو شبیر! میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔" وہ بہت خوش تھا۔

"اب جا کے ملاقات تو کرو....." شبیر نے چھیڑا۔

"نہیں اب اسے آنا ہے۔ آخر موت سے بال بال بچا ہوں۔ کیا اس کو مجھے دیکھنے نہیں آنا چاہیے۔ مجھے اس کی محبت کو بھی تو آزمانا ہے۔"

"ارے یار اس کی محبت تو تم اس دن دیکھتے..... بقول شاعر۔

وہ سر کھولے میری لاش پہ دیوانہ وار آئے
اسی کو موت کہتے ہیں تو یارو! بار بار آئے

شبیر نے لہرا کے شعر پڑھا تو وہ مسکرا دیا۔

ابھی وہ یہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ آئلہ کے ساتھ کوریڈور سے آتی دکھائی دی۔

"السلام علیکم۔" شبیر نے پہل کی۔

"وعلیکم السلام۔" آئلہ نے با آواز بلند اور اس نے زیر لب کہا۔

"فیض کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟"

"شکر ہے اللہ کا..... اب تو ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ہوں۔" اسے یقین نہ آیا کہ وہ یوں اس سے مخاطب بھی ہو سکتی ہے۔

"آئیں۔ کہیں بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔" شبیر نے آفر کی تو اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی آئلہ اسے گھسیٹ کے ساتھ کیفے لے آئی۔ اس کا دل بری طرح ڈر رہا تھا۔ اسے یہ سب مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

یہ آج پہلی اور آخری بار ہے۔ اس نے دل ہی دل میں تہیہ کیا۔ شبیر نے تھوڑے فاصلے پہ آ کے ساریہ کو فون ملایا۔

"ساریہ! آج یونیورسٹی آ سکتی ہو..... میں تمہیں شمیلا سے ملانا چاہ رہا ہوں۔"

"بالکل آ جاتی ہوں....."

کچھ ہی دیر بعد ساریہ یونیورسٹی میں تھی اور ظلم یہ تھا کہ اس کے ساتھ زیاد خان بھی تھا۔ ساریہ نے آتے وقت اسے بھی آفر دی تو اس نے انکار نہ کیا کہ اتنے دنوں بعد تو آج دونوں پر سکون ہوئے تھے۔

"ارے ماشاء اللہ ہماری بھابھی تو بہت پیاری ہے۔" ساریہ اسے گلے ملتے ہوئے بولی۔

"فیض! تم نے تو بہت اچھا پیس مارا ہے۔" ساریہ کے کمنٹس جاری تھے اور شمیلا اور زیاد خان کے وجود پتھر ہو گئے تھے۔

"شمیلا! کیا تمہیں بھی میرا بھائی قبول ہے۔ ہم نے گھر میں تو بات کر لی ہے۔ خالہ جانی جلد ہی تمہارے والدین سے ملیں گی۔ کیا تمہارے گھر والے مان جائیں گے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے بولی۔

وہ خاموش رہی..... زیاد خان کی خواہش تھی کہ وہ بولے۔

ایک بہن نے پہلے ذلیل کیا تھا۔ ایک نے آج کر دیا تھا۔ وہ خود بالکل خاموش تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں چلتا ہوں۔" زیاد نے کہا تو ساریہ شمیلا سے گلے مل کے اس کے ساتھ ہولی۔

شام کو زیاد اسے ہاسٹل سے لے کے اپنے فلیٹ پہ آ گیا۔ فاطمہ بی بی نے اسے خوشخبری سنائی کہ ساریہ اور زیاد کا رشتہ طے ہو گیا ہے۔

وہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کے بھائی کو مبارک باد نہ دے پائی۔ اس سرد مہری کو فاطمہ بی بی نے بھی محسوس کیا۔

"لالہ!" فاطمہ بی بی رات کمرے میں سونے گئیں تو شمیلا کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ جب کسی پل سکون نہ ملا تو زیاد خان کے کمرے میں سر جھکائے چلی آئی۔ اس نے نظریں نہ اٹھائیں۔

"مجھے معاف کر دیں لالہ! میں نے آپ لوگوں کا اعتماد توڑا....." وہ اس کے قدموں میں آن بیٹھی۔

"میں نے تو تمہیں کوئی الزام نہیں دیا۔ کیا گناہ کیا ہے تم نے سوائے اپنے باپ اور بھائی کے نقش قدم پہ چلنے کے..... فکر نہ کرو، میں بابا جان کو راضی کر لوں گا اور اگر انہوں نے انکار کیا تو یقیناً یہ سزا میں بھی سہنے کا اتنا ہی حق دار ہوں گا جتنی تم..... جاؤ اب۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو وہ اس کے قدموں پہ گر گئی۔

"نہیں لالہ..... میں جانتی ہوں کہ میں نے بہت برا کیا ہے مگر یقین کریں میں کبھی آپ کی راہ میں نہیں آؤں گی۔ ساریہ بھابھی کا ملنا میری دعاؤں کا اعجاز ہے۔ ان پہ سب کچھ قربان ہے..... میں کبھی اس کا نام بھی

نہیں لوں گی۔ آپ میرے اس جرم کو پردے میں لپیٹ دیں۔ نادان اور کم عقل ہوں..... معاف کر دیں۔" وہ روتی چلی گئی۔

"جاؤ ملائی..... جاؤ۔"

وہ اٹھی اور مردہ قدموں سے کمرے سے نکل گئی۔

صبح زیاد نے اسے یونیورسٹی چھوڑنا چاہا تو وہ منکر ہو گئی۔

"ملائی تماشا مت بناؤ..... مجھے اس بات کا کوئی افسوس نہیں کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ کہا ہے نا کہ بابا جان سے بات کروں گا۔" اس نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں اپنی مرضی سے گاؤں جانا چاہ رہی ہوں۔"

"اور یہاں جو اسٹڈیز کا حرج ہو گا۔"

"مجھے نہیں پڑھنا لالہ..... مجھے نہیں جانا یونیورسٹی۔"

"فضول باتیں مت کرو..... چلو میں تمہیں ہاسٹل چھوڑ دوں۔"

وہ چپ ہو رہی۔ اسے افسوس تھا کہ اس کی وجہ سے اس کے بھائی کے حالات کتنی خراب ہوئی تھی۔ مجھے تم سے اب کبھی نہیں ملنا فیض۔ اس نے طے کر لیا اور اس بات پہ جم بھی گئی۔

اور پھر شمیلا نے یونیورسٹی کو چھوڑ ہی دیا۔ بابا جان کو گاڑی بھیجنے کو کہا اور اگلے ہی دن حویلی واپس لوٹ آئی۔

☆ ☆ ☆

"اماں! آپ نے اسے کیوں جانے دیا ہے۔ اسے واپس لائیں۔ بیوی ہے وہ میری۔" ریحط آرشین جان کے سر ہو گیا۔ آج اسے گئے ہوئے پانچواں دن ہو گیا تھا۔ وہ ایک دن اس کے بغیر سکون سے نہ رہ پایا تھا۔

ہر لمحہ اس کی یاد ستا رہی تھی اور ڈر اس بات کا بھی تھا کہ کہیں وہ اس کے بچے کو کوئی تکلیف نہ پہنچا دے۔

"دماغ تیرا ہی گھوم گیا تھا۔ خود پہ قابو ہے تجھے..... اس دن اللہ نہ کرے کہ اسے کچھ ہو جاتا تو..... کیا منہ دکھاتے تیرے بابا جان اپنے بھائی کو..... اور اس بچے کی حقیقت سے تو واقف تھا اور تو نے اسے اس کے باوجود قبول کیا تھا۔ اب کیا مصیبت ہے۔ اب کیوں تماشا بنا رہا ہے۔" آرشین جان نے اس کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی۔

"اچھا آئندہ ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ آپ اسے لے آئیں....." وہ منت بھرے لہجے میں بولا تو انہوں نے انکار کر ڈالا۔

"خود لے آ..... حق رکھتا ہے۔"

اور وہ اس کی طرف آ گیا۔

"ارے ریحط آیا ہے۔" فاطمہ بی بی نے اسے دیکھ کے خوشی کا اظہار کیا۔

زیاد نے اٹھ کے اسے گلے لگایا۔

"ریحط لالہ! آپ تو عید کا چاند ہی ہو گئے ہیں۔" ملائی نے ناراضی بھرے لہجے میں کہا۔

"بس بابا نے فیکٹری میں اتنا مصروف کر دیا ہے کہ وقت ہی نہیں ملتا۔" روایتی سا بہانہ بنایا۔

زیاد خان اور وہ دونوں باتوں میں لگ گئے۔ آج کتنے عرصے بعد دونوں نے اکٹھے وقت گزارا تھا۔

ملائی نے ملائی کو اس کے آنے کی اطلاع دے دی وہ بے نیازی سے اپنے کاموں میں لگی رہی۔

"لالی ریحط تمہیں لینے آیا ہے۔" زیاد ہلکا سا دروازہ بجا کر اندر آیا۔

وہ باہر آئی تو وہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ بے نیازی سی صوفے پہ بیٹھی رہی۔ ریحط اس کے سراپے کا جائزہ لینے لگا۔ گلابی دوپٹے کے حصار میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ گلابی گلابی پاؤں کارپٹ پہ چپلوں کی قید سے آزاد تھے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کے جسم پہ سوجن واضح ہو رہی تھی۔ نازک سی لالی کا سراپا بھاری اور بے ڈول ہو رہا تھا۔

"لالی آئی ایم سو سوری۔ کاش میں تمہارا گنہگار نہ ہوتا۔ مجھ سے تمہیں اتنے دکھ نہ ملے ہوتے۔" وہ سر جھکا کے بولا۔

"مجھے ساری زندگی یہ اذیت نہیں بھولے گی کہ میں نے، جس سے محبت کی اسی نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالا۔ مجھے بے آبرو کیا۔" اس کے لہجے میں تلخی ہی تلخی تھی۔

"لالئی! تم اس وقت بھی میری بیوی تھیں۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ شرمندہ میں صرف اپنے بعد کے رویے پہ ہوں۔ بہت پچھتا رہا ہوں۔" وہ چہرہ چھپا کے رو پڑی تو ریحط نے اسے اپنی پناہوں میں لے لیا۔

"ریحط! میں بھی تو کسی کی بیٹی تھی۔ کسی کی عزت تھی۔ جسے بے عزت کرتے ہوئے آپ کا دل نہیں کانپا۔ اب بات اپنی اولاد پہ آئی ہے تو کیسے تڑپ رہے ہیں۔"

"تم سے بہت شرمندہ ہوں لالئی۔"

"ستم مرد تھے سچے ہو گئے اور میں ایک کمزور عورت ..... اس لیے گناہگار ٹھہرادی گئی۔" وہ اسی کے سینے سے لگ کے رونے لگی۔

"تمہاری پارسائی کا گواہ میں خود ہوں۔ مجھے کسی گواہ کی ضرورت نہیں، باقی سب کے سامنے بھی تمہیں میں ہی سرخرو کروں گا میری جان۔" ریحط اس کے ریشمی بالوں پہ لب رکھ کے بولا۔

"میں کیسے سب کو یقین دلاؤں گی کہ میں بدکردار نہیں ہوں۔ میرا شوہر مجھ پہ جان دیتا ہے۔ میں کیسے سب کی بے رخی سہوں گی۔ اس ساری صورتحال میں اگر دل سے کسی کی غلام ہوئی تو وہ مرجانہ ہے۔ جس نے ایک لمحے کے لیے بھی اس بات پہ یقین نہیں کیا کہ مجھ سے کوئی گناہ ہوا ہے۔"

"وہ مجھ سے بھی بہت لڑی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، جسے اس نے تھام لیا اور واپس حویلی آ گئی۔

مرجانہ بھاگ کے اس سے لپٹ گئی اور آرشین جان کو بھی ریحط کے چہرے کا اطمینان سکون دے گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ سجدے میں ہچکیوں سے رو رہی تھیں۔ عمر خان نے کندھے سے تھام کے انہیں اٹھایا تو وہ حیرت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"ایسا کیا طے کر آئی ہیں وہاں جو اتنا تکلیف دہ ہے پہلی دفعہ آپ کو یوں روتے دیکھا ہے۔" عمر خان نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے ذومعنی بات کی تو فاطمہ بی بی نے گھبرا کے آنکھیں چرا کر جلدی جلدی جائے نماز تہ کرنے لگیں۔

"آپ کی حکم عدولی کی ہے، اسی کی شرمندگی ہے۔" وہ اپنا درد چھپا کے بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔

"ملیں ان لوگوں سے..... کیسے تھے۔"

"بہت اچھے لوگ ہیں اور سب سے بڑی بات کہ میں وہاں سے ایک نہیں بلکہ دو دو خوشخبریاں لائی ہوں۔ پتا ہے وہاں ثوبانہ عمر خان سے بھی ملی۔" وہ کافی حد تک خود کو سنبھال چکی تھیں۔ عمر خان خاموش رہے۔

"وہ آپ کی عزت ہیں خان اور حق رکھتی ہیں کہ ان کی محبت کا حق انہیں ملے۔ آپ انہیں عزت و احترام سے اس حویلی میں واپس لائیں۔ وہ آپ کے بیٹوں کی ماں ہیں۔"

اس کا مطلب ہے کہ فاطمہ سے ملنے کے بعد ثوبانہ کو اپنا بے رحمانہ فیصلہ بدلنا ہی پڑا۔ اگر ایسا کیا ہے تو تم نے اپنی محبت کی عظمت بہت اونچی کر لی ہے۔ ثوبانہ! انہوں نے اسی رات لائبہ واحدی کا فون پہ شکریہ ادا کیا وہ سمجھ رہے تھے۔ انہیں دو جہاں کی دولت مل گئی ہے۔

ریحط دونوں کے لیے ایک میٹنگ کے سلسلے میں لاہور گیا ہوا تھا کہ لالئی کی طبیعت بگڑ گئی۔ اسے فوراً ہسپتال لے جایا گیا، جہاں اس کا بی پی لو ہو جانے کی وجہ سے فوراً آپریشن کر دیا گیا۔ اللہ نے اسے بیٹی کی نعمت سے نوازا مگر بجلیاں اس وقت گریں، جب بچی کے بارے میں لالئی نے پوچھا تو بتایا گیا کہ وہ مری ہوئی پیدا ہوئی تھی۔

"نہیں ایسا نہیں ہوا۔ آپ نے میری بچی کو مار دیا ہے۔ وہ زندہ تھی میں نے خود اس کے رونے کی آواز سنی تھی۔ میری بچی زندہ تھی۔" وہ چیخ چیخ کے بے ہوش ہو گئی۔

مرجانہ نے ریحط کو اطلاع دی تو پہلی فلائٹ سے واپس آ گیا۔

"ریحط! میں نے خود اس کے رونے کی آواز سنی تھی..... میں ہوش میں تھی۔" وہ اپنی بچی کے لیے مچل مچل رہی تھی۔ فاطمہ بی بی اسے بمشکل سنبھالے ہوئے تھیں۔ وہ بے بس تھیں۔ کیا کہتیں۔

"اماں! میری بچی کہاں ہے۔" وہ آرشین جان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"وہ تمہاری بچی نہیں تھی۔ جس کی تھی میں نے اس کے حوالے کر دی۔" انہوں نے چھپانا مناسب خیال نہ کیا۔

"اماں..... آپ نے میری بچی۔" اس کی آواز صدمے سے پھٹ گئی۔

"ہاں میں نے اسے شیر خان کے گاؤں بھجوا دیا ہے اور ساتھ ہی کچھ رقم بھی کہ اسے شہر لے جائے اور وہیں پالے۔" وہ بول رہی تھیں اور ریحط کی سانس رکنے لگی۔ وہ پاگلوں کی طرح پورے دو دن اپنی بچی کو ڈھونڈتا رہا شہر تک گیا مگر مایوس ہی لوٹنا پڑا۔ نجانے شیر خان معصوم بچی کو لے کے کہاں چلا گیا تھا۔

لالئی کی حالت کے پیش نظر اسے ہاسپٹل میں ہی رکھا گیا تھا۔

"ریحط! تو اس کا دکھ کیوں لے رہا ہے بچے۔ وہ کون سا تیرا خون تھی۔" آرشین جان نے کہا تو اس سے پہلے کہ وہ بولتا جبار خان اندر آ گئے۔

"اس میں اتنی ہمت نہیں کہ جواب دے سکے۔ مجھ سے پوچھو کہ وہ کس کا خون تھی۔ وہ جبار خان کی ہی پوتی تھی۔ تیرے اسی لاڈلے کا خون تھی۔ اگر اس میں ذرا سی بھی انسانیت ہے تو آگے کا سچ یہ خود بتائے گا۔" وہ ہاڑے تو ریحط خان کے لیے سچ بتانا ناگزیر ہو گیا۔

جبار خان نڈھال سے ہو کے صوفے پہ گر گئے۔

"ریحط..... بچے۔" آرشین جان کو سکتہ طاری ہو گیا۔

"لالہ!" مرجانہ کی آواز چیخوں میں بدل گئی۔ ریحط شرمندگی سے باہر نکل گیا۔ اس میں تو اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ ہاسپٹل میں پڑی لالئی کا بھی سامنا کرتا۔

☆ ☆ ☆

فیض کو جب علم ہوا کہ وہ یونیورسٹی ہی چھوڑ گئی ہے تو اس کی حالت دن بدن پہلے سے زیادہ خراب ہونے لگی۔ پہلے ہی کم بولتا تھا۔ اب تو بالکل ہی زبان پہ تالے پڑ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے تمام ٹیسٹ کیے، سب کلیئر تھے۔ اس کے باوجود اس کی صحت گرتی جا رہی تھی۔ کمزوری سے بار بار چکر آنے لگے۔ شبیر کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اماں کی طبیعت فیض کی وجہ سے ڈسٹرب تھی اور وہ خود تو تنہا ہی رہ رہا تھا۔

لائبہ واحدی الگ پریشان تھیں کہ ساریہ کی شادی کے دن قریب تھے وہ ثوبانہ کو کیسے سنبھالیں۔ لاکھ کہنے کے باوجود فیض گھر سے جانے کو بھی تیار نہ تھا۔ ساریہ ہر روز اس کی طرف چکر لگاتی۔ وہ بھی اس کی حالت دیکھ کے ہاتھ پاؤں چھوڑ رہی تھی۔ کوئی میڈیسن اثر نہیں کر رہی تھی۔

"وہ واقعی تمہارے خوابوں والی چڑیل تھی اس نے تمہیں پتھر بنا دیا ہے۔ تم اس کی خاطر ہم سب کو بھول گئے ہو۔" بالآخر تھک کے شبیر ہمت ہار گیا اور اس کے سامنے ہی رو پڑا۔

"شبیر! یقین جانو ایسا کچھ نہیں ہے۔" فیض نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"ایسا ہی ہے۔ وہ جو کل تمہاری زندگی میں آئی تھی وہ تمہیں ہم سے زیادہ عزیز ہو گئی ہے کہ تم نے ہماری طرف دیکھنا ہی چھوڑ دیا ہے۔" وہ پھٹ پڑا۔ شام ساریہ آئی تو زیاد کو مجبوراً آنا پڑا کہ وہ فیض کے لیے رونے لگی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے فیض! ایک لڑکی کی خاطر تم نے خود کو روگ لگا لیا ہے۔" ساریہ اس کی حالت دیکھ کے خود پہ ضبط نہ کر سکی۔ دھچکا تو زیاد خان کو بھی اس کی حالت

دیکھ کے لگا تھا۔

ثوبانہ شاہ — اس چھ فٹ سے نکلتے قد والے نوجوان کو دیکھ کے اس احساس سے دور نہ ہو سکیں کہ وہ ان کا بیٹا اور ان کے فیض اور شبیر کا بھائی ہے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا کہ وہ ان کے فیض کو سنبھال لے گا۔

فاطمہ بی بی کو تو تم قبول کر نہیں رہیں ثوبانہ عمر خان! اس کا بیٹا تمہارے بچوں کا بھائی کیسے ہو گیا۔ کوئی اس کی خوش فہمی پہ ہنسا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے کوئی روگ نہیں پال رکھا تم لوگ خوامخواہ افسانہ بنا رہے ہو۔" فیض زیاد کے سامنے شرمندہ ہو گیا۔ زیاد کا دل چاہا وہ وہاں سے بھاگ جائے۔

"اس کا ایڈریس وغیرہ کچھ پتا ہے۔ شاید زیاد کو اس علاقے کی کوئی معلومات ہوں۔" ساریہ نے پوچھا۔

"اس کا تو موقع ہی نہیں ملا......"

"فیض! میں کوشش کروں گا اسے ڈھونڈنے کی۔" زیاد کو کہنا پڑا۔

اس کی بات پہ ثوبانہ کا پورا وجود جل اٹھا۔

جب بھی زیاد خان کو تمہارا اصل چہرہ دکھائی دے گا تو کیا ہو گا۔ کوئی ثوبانہ کے اندر ہنس کے بولا۔

"زیاد! میں اب پانے اور کھونے کی کیفیت سے نکل چکا ہوں۔ میں نے اسے مجسم پانے کی آرزو ترک کر دی ہے۔ اس کا ہاتھ تھامنے کی خواہش کی تو وہ اتنا دور ہو گئی۔ اس سے آگے کی طلب کی تو نجانے کیا ہو ڈرنے لگا ہوں۔" فیض نے حسرت سے کہا تو زیاد کے کانوں کی لوئیں بھی سرخ پڑ گئیں۔

وہ جس قبیلے سے تعلق رکھتا تھا' اس میں بیٹیوں کے ناموں کو بھی سات پردوں میں رکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ساریہ بھی اس حقیقت سے لاعلم تھی کہ اس کی بہن اس یونیورسٹی میں پڑھتی ہے' جہاں فیض اور شبیر ہیں اور زیاد خان کی بدقسمتی کہ فیض کی نظریں اس پہ پڑ گئی تھیں۔

اس کے بعد اس سے زیادہ دیر وہاں ٹھہرا نہ گیا۔ شبیر ان دونوں کو رخصت کر کے آیا تو فیض ثوبانہ کے ساتھ باتوں میں لگا تھا۔

"ماما بڑا زبردست بندہ ہے یہ اپنا زیاد بھی...... سارہ یقیناً" اس کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔" شبیر نے کہا۔

"ان شاءاللہ......" ثوبانہ شاہ کے ہونٹوں سے بے ساختہ دعا نکلی۔

لیکن ایک دن بعد ہی لائبہ واحدی کی زبانی جو کچھ ان دونوں نے سنا' کتنی ہی دیر ان کی قوت گویائی نے ان کا ساتھ نہ دیا کہ وہ کوئی سوال کرتے۔

"خالہ جانی...... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" فیض کے لب بمشکل ہلے۔

"بیٹا! تمہاری ماں نے بہت مشکل زندگی گزاری ہے۔ اس کی پسند کی شادی اس کا جرم بن گئی اور اس کی پاداش میں وہ اپنے شوہر سے دور کر دی گئی۔ تم دونوں کے سہارے اس نے زندگی گزاری ہے۔" لائبہ واحدی نے کہتے ہوئے ثوبانہ عمر خان کا سرد ہاتھ تھام لیا۔

"مگر ماما تو کہتی تھیں کہ ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔" شبیر نے کہا۔

"تو اور کیا کہتی پھر اس کے سوا۔"

"لیکن ماما وہ ہیں کون......" ساریہ نے پوچھا۔

"بیٹا! وہ عمر خان ہیں......" ایک بم تھا جو ان سب پہ گرا تھا۔

"ماما......" ساریہ کی آواز پھٹ گئی۔

فیض اور شبیر کی حالت یہ تھی کہ اگر کوئی ان کے وجود کو کاٹ کے دیکھتا تو یقیناً" ایک قطرہ خون نہ ملتا۔

لائبہ واحدی نے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ ان کے اندر کیا چل رہا ہے۔

"خالہ جانی! زیاد کے بابا جان ہمارے بھی بابا جان ہیں۔" شبیر کے لب مسکرا اٹھے۔

"یعنی زیاد خان ہمارا بھائی ہے۔" فیض نے کھوئی کھوئی آواز میں یقین کرنا چاہا تو لائبہ واحدی نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا اور تشکر کے آنسوؤں نے بات مکمل ہی نہ ہونے دی۔

"اور...... اور یہ مصیبت وہاں بھی ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔" شبیر نے یکدم ساریہ کے بالوں کو کھینچتے ہوئے ماحول ہی بدل ڈالا۔ سب خوش تھے اور ثوبانہ عمر خان کے سارے خدشات دور ہو گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں......" زیاد کے تو ہوش ہی اڑ گئے سب سن کے۔ وہ دیوانوں کی طرح اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ فاطمہ بی بی کو اندازہ لگانے میں ایک لمحہ نہ لگا کہ اس کے ارادے کیا ہیں۔

"زیاد خود کو قابو میں رکھو بیٹا...... میری بات تو سنو۔" وہ پستول لے کے نکلنے لگا تو وہ اس کے سامنے آ گئیں۔

"کیا قابو رکھوں...... اتنا ذلیل اور گھٹیا نکلا ہے یہ شخص...... بے غیرت...... اس کی بہن کے ساتھ میں نے کون سے عشق و محبت کے لمحات گزارے تھے کہ اس نے اتنا گھناؤنا کھیل کھیلا۔" وہ ان سے خود کو چھڑا کے سیدھا جبار خان کی حویلی آ گیا۔ وہ اس وقت حویلی میں نہ تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ رہیط خان پہ پستول تانتا" ارشین جان اور لالئی درمیان میں آ گئیں۔

"تجھے تیرے رب کا واسطہ ہے زیاد خان! میری بات سن۔"

"چلو لالئی تم میرے ساتھ...... میں جرگہ بلوا کے اس شخص سے تمہیں آزاد کراؤں گا۔" زیاد خان نے لالئی کو ہاتھ سے پکڑ کے کھینچا۔

"آپ کو کیسے دعویٰ ہے کہ آپ میرے بھائی ہیں۔ آج آپ مجھے بے گناہ سمجھ رہے ہیں...... اس وقت آپ نے ایک بھی گواہی مانگی تھی اپنی بہن کی بدکرداری کی...... کل کو کوئی اور الزام لگا دے گا تو آپ اس پہ بھی یقین کر لیں گے۔ رہیط نے الزام لگایا اور آپ نے یقین کر لیا۔ آپ میرے کردار سے ناواقف تھے۔ میرا گلہ اپنی ماں سے بھی ہے۔ جو اپنی بیٹی کو بھی نہ جان پائی۔ وہ کیسی ماں تھیں...... میں تو ان کا ایک ایک دکھ بنا ان کے بتائے جان جایا کرتی تھی اور آج میں سب کے سامنے آپ سے اور اماں سے اپنا تعلق ختم کرتی ہوں۔ میرا کوئی مخلص تعلق اگر کسی سے ہے تو وہ مرجانہ ہے' جو اس وقت بھی میری بے گناہی پہ ڈٹی رہی جب کوئی بھی میری پارسائی کا یقین نہیں کر رہا تھا۔ لالہ! میں سچ کہہ رہی ہوں میں نے رہیط کو معاف کر دیا ہے۔ میں تائی اماں کو بھی معاف کر رہی ہوں مگر میں آپ کو اور اماں کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اب آپ چلے جائیں اور میرے شوہر کو میرے ساتھ زندگی گزارنے دیں۔ جتنے رشتے مجھ سے چھین چکے ہیں اتنے بہت ہیں۔ اب اور ظلم مت کریں۔ جائیں۔" وہ اپنی بات کر کے روتی ہوئی نکل گئی۔ زیاد اسے پکار بھی نہ سکا۔

رہیط خان دروازے میں ہی پتھر ہو گیا۔ لالئی نے تو زیاد خان کے ساتھ ساتھ اسے بھی مار دیا تھا۔ وہ اس سے نظریں ملانے کے قابل بھی نہ تھا۔ فاطمہ بی بی نے سنا تو گنگ رہ گئیں۔ لالئی نے یہ کیسا وار کیا تھا کہ وہ پر بھی نہ پھڑپھڑا سکیں۔ وہ دیوانوں کی طرح اس کی طرف آئیں مگر اس نے خود کو کمرے میں قید کر لیا۔ وہ روتی تڑپتی رہیں مگر اس نے اپنی قسم نہ توڑی۔

ملالئی رو رو کے اسے پکارتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"میں اپنے ہی جال میں پھنس گیا ہوں بابا! میں لالئی سے نظریں نہیں ملا پاتا...... اور میری معصوم بچی نجانے کہاں ہو گی۔" اسے آخری سہارا جبار خان ہی نظر آئے جو اسے اس اذیت سے نکال سکتے تھے۔ اسے معافی دلا سکتے تھے فاطمہ بی بی اور زیاد خان سے۔

"تمہیں اپنی جنگ خود ہی لڑنی پڑے گی رہیط خان ...... اور اس کے رشتے بھی اسے لوٹانے ہوں گے۔ وہ اس وقت جذباتی ہو رہی ہے۔ تمہیں اسے واپس لانا ہو گا اور تمہارا رشتہ میں تجھے لوٹاؤں گا۔"

"کیا مطلب......"

"تو بھلے اندھے پن میں رشتوں کو بھول جائے رہیط خان! مگر میں اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھتا

ہوں۔ میرا خون اتنا ارزاں نہیں کہ ادھر ادھر رلتا۔ اس لیے میں ایک لمحہ بھی غافل نہیں رہا۔ تیری ماں کے ارادوں سے میں اچھی طرح واقف تھا' اس لیے میں نے کوتاہی نہیں کی۔" وہ مسکرائے۔

"بابا! کہاں ہے میری بچی....." وہ بے تابی سے بولا۔ تو انہوں نے اپنے پرانے ملازم کو آواز دے کر بلایا۔ ان کی پوتی تو ان کے نمک خوار کی بیوی سنبھال رہی تھی۔ انہوں نے زیاد خان کو دی اپنی زبان کی لاج رکھنی تھی۔

ربیط نے فرط مسرت سے اسے دیوانہ وار چومنا شروع کر دیا۔ مرجانہ نے دیکھا تو وہ بھی بھاگتی ہوئی آئی۔

"اوہ پھپھو کی جان....." وہ چھوٹی سی گڑیا کو اٹھاتے ہوئے بولی۔

آرشین جان نے بچی کو ڈھیروں پیار کرتے ہوئے اس کے حوالے کیا۔

"لائبہ! یہ رہا تمہاری منہ دکھائی کا تحفہ....." وہ کمرے میں داخل ہو کر چھوٹی گڑیا کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا تو وہ ساکت رہ گئی۔ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو چھو کے محسوس کیا۔

"یہ میری بیٹی ہے نا ربیط....."

"یہ ہماری بیٹی ہے لائبہ اور مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔" وہ اس کا ماتھا چومتے ہوئے بولا۔

"زیاد پلیز! مجھے معاف کر دو میں مرجانہ کی محبت میں اندھا ہو گیا تھا۔ یہ رشتے ہوتے ہی بہت ظالم ہیں انسان کی آزمائش بن جاتے ہیں۔" ربیط نے آگے بڑھ کے زیاد خان کو بازو سے پکڑ لیا۔

وہ خاموش رہا تو جبار خان آگے بڑھے اور زیاد کو تھام لیا۔

"زیاد بچے آج بالآخر اولاد کی وجہ سے وہ دن آ ہی گیا ہے جب مجھے اپنے احسانوں کا بدلہ چاہیے۔ آج میرے ہاتھ جڑے ہیں۔" انہوں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑنے چاہے۔

"کاکا جی....." زیاد کی آواز گلے ہی میں دب گئی۔

"خان لالا....." فاطمہ بی بی تڑپ کے آگے بڑھیں۔ "خدا کبھی وہ وقت نہ لائے کہ آپ کو ہاتھ جوڑنے پڑیں۔ زیاد کو آپ حکم کریں۔" لیکن اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور وہ دونوں گلے مل گئے۔

"لالہ! اب جلدی سے بھانجی کو پہلی دفعہ دیکھنے کا تحفہ بھی تو دیں۔" ملائی نے بھی مسکراتے ہوئی مہ وش کو اٹھالیا۔

☆ ☆ ☆

عمر خان نے فاطمہ بی بی کے کہنے پہ جبار خان کو بلوایا اور انہیں اپنے بچوں کو اس حقیقت سے آگاہ کرنے کا کہا جو کہ عمر خان اور فاطمہ بی بی کی زندگی میں آ چکی تھی۔ زیاد خان کی شادی سے پہلے اس حقیقت کا بچوں پہ کھلنا اور بھی ضروری تھا۔

زیاد خان لائبہ اور ملائی پہلے تو یوں بلانے پہ پریشان ہو گئے مگر بابا جان اور اماں کے پر سکون چہرے انہیں بھی پر سکون کر گئے۔

جبار خان نے جو کچھ بتایا تھا۔ اس سے سب کے ملے جلے احساسات سامنے آئے تھے۔ البتہ زیاد خان پہ تو جیسے آسمان سے بجلیاں گری تھیں۔ وہ بنا حرکت کیے خالی خالی نظروں سے ایک ہی سمت دیکھے جا رہا تھا۔

"زیاد..... بچے۔" جبار خان نے اسے کندھوں سے ہلایا تو وہ چلا اٹھا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے..... نہیں..... ہرگز نہیں..... یہ جھوٹ ہے سب جھوٹ ہے۔" وہ بنا کسی مروت لحاظ کے بولنے لگا۔ اس کی آواز اونچی اور اونچی ہوتی چلی گئی۔

"زیاد میرے بچے..... کیا ہو گیا ہے تجھے۔ ثوبانہ ایک حقیقت کی طرح ہمیشہ سے ہمارے درمیان موجود رہی ہیں۔ تمہارے دو بھائی ہیں' تم تو قسمت والے ہو۔" فاطمہ بی بی گھبرا کے اسے تھامنے لگیں۔

"نہیں ہے کوئی میرا بھائی اور جہنم میں جائے یہ ساریہ بھی۔ مجھے نہیں کرنی اس سے شادی۔" وہ دھاڑا۔

ہو اوہاں سے نکل گیا۔

جبار خان نے ربیط کو فون کر کے اس کے پیچھے جانے کو کہا کہ اس وقت وہ بہت بری حالت میں تھا۔ اسے اکیلا چھوڑنا مناسب نہ تھا۔ عمر خان سر پکڑ کے بیٹھ گئے۔ انہیں یہ تو معلوم تھا کہ ان کی اولاد کو یہ سن کے شاک لگے گا مگر اتنا خوفناک رد عمل..... انہیں توقع نہ تھی۔

ابھی زیاد خان کو یہ سن کے اتنا صدمہ ہوا ہے اگر اسے پتا چل جائے کہ اس کی اور ساریہ کی شادی ایک معاہدے کی بنیاد پہ ہو رہی ہے تو وہ تو پاگل ہو جائے گا۔ فاطمہ بی بی کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

ادھر زیاد خان پہ ایٹم بم گرا تھا۔ وہ جنگل کی طرف نکل آیا۔ اس کے ذہن میں دو ہی نام گھوم رہے تھے۔

شیلا..... اور..... فیض..... محبت..... ملائی..... بھائی..... بہن..... محبت..... محبت..... گندگی..... گناہ..... کیا ہے سب..... میں نے اسے اس کی لیے تڑپتے دیکھا ہے' سنا ہے۔ کیا کچھ اس کے دماغ میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ کمرے سے نکلنے سے انکاری تھا۔ ربیط اپنی سی کوشش کر چکا تھا۔ یہاں تک کے اس نے شادی سے بھی انکار کر دیا تھا۔

بارات میں ایک دن تھا۔ نیچے ہال میں رسمیں ہونی تھیں۔ جب وہ کمرے سے نہ نکلا تو فاطمہ بی بی کو خود ہی آنا پڑا۔ دروازہ بجا کے آئیں تو وہ گھٹنوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔ فاطمہ بی بی کو دیکھ کے کھڑا ہونا چاہا تو لڑکھڑا گیا۔

"نیچے آؤ سب انتظار کر رہے ہیں۔"

"اماں! پلیز مجھے تنہا چھوڑ دیں۔ مجھے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دے رہا ہے۔" اس کا انداز فاطمہ بی بی کو چونکا گیا۔

"کیا چھپا رہے ہو تم مجھ سے....."

"اماں..... ملائی کو یونیورسٹی میں ایک لڑکے سے محبت ہو گئی ہے اور اسے بھی" وہ اس اذیت سے نکلنا چاہ رہا تھا۔

"تو ایسا کون سا گناہ کر ڈالا ہے اس نے' سوائے باپ اور بھائی کے نقش قدم پہ چلنے پہ..... تم مرد تھے اس لیے بری ہو گئے اور وہ لڑکی ہے اس لیے گناہگار ٹھہرا دی تم نے۔" وہ تلخ ہو گئی۔

"اماں! ایسا نہیں ہے وہ..... وہ گناہ کبیرہ کی مرتکب ہو رہی ہے۔" اس نے تکلیف کی شدت سے آنکھیں میچ لیں۔

"کیا مطلب....." وہ سمجھ نہ پائیں۔

"اماں! ہم نے ان سے کوئی تعلق نہیں رکھنا..... فیض اور شبیر نے ساری زندگی باپ کے بغیر کاٹ لی ہے۔ آگے بھی گزر جائے گی۔ مجھے ساریہ سے بھی نہیں ملنا..... سب سے رشتہ توڑ دیں اماں....." وہ رو پڑا۔

"بچے! پہلے تم ملائی کی بات کر رہے تھے اب تم ساریہ اور فیض شبیر کی طرف نکل گئے ہو۔ کیا کہنا چاہ رہے ہو میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔" فاطمہ بی بی کے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہونے لگیں۔

"اماں ملائی شہر میں جس لڑکے سے..... میرا مطلب ہے فیض..... دونوں یونیورسٹی فیلو....." ٹوٹا پھوٹا جملہ فاطمہ بی بی کو مکمل تباہی سے دوچار کر گیا۔

"ہائے میں مر گئی۔" انہوں نے اپنا دل کر تھاما۔

"اماں! خدا کے لیے خود کو سنبھالیں۔" زیاد نے انہیں اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

"زیاد! میں ملائی کو لے کے ندی والی حویلی چلی جاتی ہوں.....

یہاں رہتے ہوئے یہ رشتہ چھپ نہیں پائے گا۔"

"اماں! ہم یہ رشتہ ان سے تعلق توڑ کے بھی ختم کر سکتے ہیں۔"

"وجہ کیا بتاؤ گے..... کیا اس کے بعد ملائی باپ سے یا کسی اور سے نظریں ملا پائے گی۔" فاطمہ بی بی نے سمجھایا۔

"میں بابا جان کو ملائی کے حوالے سے نہیں بلکہ اصل بات بتاؤں گا کہ انہوں نے آپ سے کیا منوایا

ہے۔" اس نے گویا بم پھاڑا۔

"نہیں... میں جو کہہ رہی ہوں وہ زیادہ بہتر ہے۔" وہ اپنے آپ کو سنبھال کر بولیں۔ "تو مجھ سے وعدہ کر میری بات مانے گا۔"

زیاد خاموش رہا۔

☆ ☆ ☆

"میں تو یہاں بھی ہار گئی۔ کوئی رشتہ میرے لیے نہیں بنا۔ ماں باپ مجھ سے ناراض قبر میں اتر گئے۔ جس سے محبت کی وہ بھی دور ہو گیا۔ بیٹوں کی خوشی ملی تو وہ بھی نوکیلی تلوار کی طرح تمام عمر خوف زدہ کرتی رہی اور آج وہ خوف حقیقت بن کے سامنے آ ہی گیا۔ فاطمہ سے یہ غرور چھیننا چاہا کہ وہ عمر خان کے بچوں کی ماں مجھ سے پہلے نہ بن جائے مگر یہاں بھی میں شکست خوردہ ہی رہی۔

اگر جیتنا چاہتی ہوں تو فیض ہار جائے گا... اور اگر شکست تسلیم کرلوں تو یہ عمر بھر کی ریاضت بے کار جائے گی...

کیا میں ماں ہوں... ماں تو فاطمہ ہے جو زیاد کی خوشی کے لیے ایک لمحے میں سب کچھ ہارنے پہ راضی ہو گئی۔ مجھے کیوں سوچنا پڑ رہا ہے۔ یعنی ثابت ہو گیا کہ میں واقعی فیض کی ماں نہیں ہوں۔

ہاں... ہاں میں فیض اور شبیر کی ماں نہیں ہوں۔ میں نے انہیں جنم نہیں دیا... میں نے انہیں جننے کی اذیت نہیں سہی... وہ کسی اور کی اولاد تھے...

میں صرف ان کی دایہ ہوں۔ میں نے صرف انہیں پالا ہے... میں نے جسے جنم دیا تھا اس نے تو چند سانسیں ہی میری گود میں لی تھیں... یہ دونوں بچے تو خدا نے میری ممتا کو تسکین دینے کے لیے میری گود میں ڈالے تھے اور میں نے انہیں دل سے لگا لیا۔

میرے مولا! تو جانتا ہے کہ میں نے صرف انہیں پیدا نہیں کیا، باقی ماں بننے کی ہر اذیت سے گزری ہوں۔ ان کے ساتھ میری سانسیں دھڑکتی رہی ہیں۔

میں اب کیسے انہیں اس حقیقت سے آگاہ کروں گی۔ ان کے معصوم دل دکھی ہو جائیں گے۔ کیا وہ مجھے معاف کردیں گے۔

وہ آہستگی سے اٹھیں اور الماری کھول کے اس سے وہ تصویر اور نکاح نامہ نکالا... کچھ چیزیں تمام عمر انسان دل کی خواہش کے خلاف بھی اپنے ساتھ لگائے رکھتا ہے۔ جیسے یہ تصویر اور نکاح نامہ... "کتنی دفعہ آپ نے کہا تھا اس ثبوت کو جلا دو... لیکن اللہ کا شکر ہے میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ورنہ میرا فیض زندہ نہ رہ پاتا۔

صبح وہ دونوں یونیورسٹی گئے تو ثوبانہ نے لائبہ کو بلا کے تمام بات بتا دی۔

"تو پھر..." وہ خدا کے نظام پہ حیران رہ گئیں۔ فاطمہ بی بی اور ثوبانہ... دونوں کو اپنی اولاد کی خاطر ایک مقام پہ آ کے رشتوں کو تسلیم کرنا پڑا۔

"آپی... میں نے زیاد کو ساری بات بتا دی ہے میں اپنی شرط سے پیچھے ہٹ گئی ہوں۔" ثوبانہ نے جھجکتے ہوئے بتایا کہ کہیں لائبہ ناراض نہ ہو جائیں مگر وہ پرسکون ہو گئی تھیں۔ آخر یہ ان کی بھی بیٹی کی زندگی کا سوال تھا۔

"اچھا کیا ثوبانہ... اب ہمیں سب حقیقتوں کو تسلیم کرنا ہی ہے کہ رب نے ہمارے بچوں کی خوشیاں جو مشروط کردیں۔" وہ مسکرائیں۔

☆ ☆ ☆

رواج کے مطابق دلہن لینے مردوں کا ایک جرگہ ہی جانا تھا مگر یہ شہر کا معاملہ تھا اس لیے کچھ خواتین کو بھی جانا تھا۔ آرشین بیگم، بڑی بوبو جی اور دور پرے کی خاندان کی بڑی بزرگ ہستیاں اور...

فاطمہ بی بی اور لالئی نے جانا تھا مگر لالئی کو جھٹکا لگا جب فاطمہ بی بی نے اسے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے اپنے نہ جانے کے متعلق بتایا۔

"مگر اماں..."

"آہستہ بول... خان کو نہ پتا چلے۔ مرد پہلے نکلیں گے نا، انہیں اندازہ نہیں ہو گا۔" انہوں نے اسے باندھ

سے پکڑ کے خاموش کیا۔

"ارے فاطمہ! باہر آؤ۔ دیکھو زیاد تیار ہو کے آ گیا ہے۔" وہ کمرے میں کسی کام سے آئیں تو عمر خان بھی پیچھے آ گئے۔

"بس آ رہی ہوں۔" وہ مسکرائیں۔

"بہت اچھا لگ رہا ہے یہ سوٹ تم پہ۔" وہ فاطمہ کو اپنے لائے ہوئے کپڑوں پہنے دیکھ کے بولے۔

زیاد اداس اداس سا نظر لگ جانے کی حد تک اچھا لگ رہا تھا۔ جاتے وقت ماں کے گلے لگا تو بے قابو ہو گیا۔

"ماں! ایک بات یاد رکھئے گا۔ داؤ مجھے بھی کھیلنا آتا ہے۔ اگر آپ اس حویلی سے گئیں تو ساریہ بھی کبھی اپنے والدین کی شکل نہیں دیکھ پائے گی۔"

فاطمہ بی بی زیاد کی بات سن کر دنگ رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"ماما! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں..." شبیر اور فیض پر آسمان ٹوٹ پڑا تھا یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ وہ ان کی ماں نہیں ہیں۔ ابھی تو باپ ملا تھا اور اب ماں...

"جھوٹ بول رہی ہیں آپ... میں نہیں مانتا... اس جھوٹ کو... اگر ایسا تھا تو آپ نے ہم سے اس بات کو کیوں چھپایا۔" خلاف توقع فیض کے مقابلے میں شبیر کو اس سچ حقیقت کو سن کے زیادہ تکلیف ہوئی تھی۔

"کیا تمہارا اس بات پہ ایمان نہیں ہے کہ خدا کے ہر کام میں کوئی بہتری ہوتی ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے بولیں۔

"سب کو پا کے دل نے کتنی خوشیاں منائی تھیں... میں نے اور فیض نے ہر رشتے کو خدا کی دین سمجھ کے قبول کر لیا تھا مگر میں بھول گیا تھا کہ... بے نام و نشاں لوگوں کے دروازے پہ کسی نام کی تختی نہیں لگتی۔ انہیں تو قبر میں بھی لاوارث کہہ کے دفنایا جاتا ہے۔" اس کی باتیں ثوبانہ کا دل چیرنے لگیں۔

"شبیر کیا ماں صرف جنم دینے والی ہوتی ہے... میرے جیسی بدقسمت کو کبھی کوئی رشتہ نہیں ملتا... اور تم کیا جانو اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میرا فیض مر ہی جاتا۔" وہ شبیر کے پاس آ کے بولیں تو وہ نم آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"اگر مجھے یہ خوشی نہ ملتی تو میں بھی یہ سوچ کے ہی مر جاتی شبیر! لیکن اللہ نے بدلے میں مجھے جو دیا ہے وہ میری ہر تکلیف کا ازالہ ہے۔" وہ فیض کو دیکھ کے بولیں جو ہمیشہ کی طرح تکلیف میں بالکل چپ ہو جاتا تھا۔

"کیا مطلب..." دونوں ہی متوجہ ہوئے۔

"بدلے میں مجھے میری بہو شمیلا مل گئی ہے۔" انہوں نے فیض کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب... کیا کہہ رہی ہیں آپ میں سمجھ نہیں پایا۔" فیض نے پوچھا۔

"شمیلا... عمر خان اور فاطمہ کی بیٹی اور زیاد خان کی بہن ہے۔ اسی بات نے تو مجھے یہ راز کھولنے پہ مجبور کیا ورنہ جو ہوتا، تم اس کا تصور کر سکتے ہو۔" ثوبانہ نے کہا تو فیض نے ایک لمبی سانس سینے سے خارج کی۔

"ماما! وہ نہ ملتی تو شاید سنبھل جاتا مگر یہ سچ ہوتا تو میں یقیناً" خودکشی کر لیتا۔" فیض نے کہا تو شبیر خدا کی اس مہربانی پہ سجدے میں گر گیا۔

"ماما! آپ کو کس نے بتایا کہ شمیلا بابا جان کی بیٹی ہے۔" شبیر نے پوچھا۔

"زیاد خان نے..."

"اوہ... یاد ہے فیض! وہ دن جب ساریہ اور زیاد دونوں یونیورسٹی آئے تھے تو ہم نے اسے شمیلا سے ملایا تھا... اوہ اللہ کا شکر ہے اس دن خان کا دماغ نہیں گھوما تھا ورنہ فیض! تیرے بچنے کے چانسز بہت کم تھے۔" شبیر کانوں کو ہاتھ لگا کے بولا۔ وہ مسکرا دیا۔

☆ ☆ ☆

بارات آئی تو وہ دونوں ہی شمیلا کو تلاش کرنے لگے مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔

لائبہ نے آتے ہی تمام حقیقت زیاد اور زیاد نے عمر

خان کو بتادی تھی۔ انہیں شدید دھکا لگا۔ ثوبانہ نے ان سے اتنا بڑا جھوٹ بولا۔ کسی اور کی اولاد کو ان سے منسوب کر دیا۔ ایک بار پھر ثوبانہ کی محبت انہیں دھندلاتی نظر آئی تھی۔

زیاد مسلسل فاطمہ بی بی کو فون ملا رہا تھا مگر ان کا موبائل بند مل رہا تھا وہ انہیں بتانا چاہ رہا تھا کہ اللہ نے کتنا کرم کیا ہے۔ لیکن رابطہ نہ ہو پا رہا تھا۔

رخصت ہو کے ساریہ ثوبانہ عمر خان کے گھر آگئی۔ باقی جرگے والے وہیں سے گاؤں واپس چلے گئے۔

فیض اور شبیر نے زیاد خان کا کمرہ تازہ گلاب کے پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔ پورا کمرا مہک رہا تھا لیکن اس کا دل اندر سے گھبراہٹ کا شکار تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اماں اگر چلی گئیں تو بابا جان بہت سخت ناراض ہو جائیں گے اور بہت ممکن تھا کہ وہ اماں کو واپس لانے سے ہی انکاری ہو جائیں۔ ندی والی حویلی والے ان کے نا پسندیدہ لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ کاش میں اماں کو جانے سے روک دیتا۔ انہیں اپنے ساتھ آنے پہ مجبور کر دیتا۔ طرح طرح کی سوچیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ ریحط بھی رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر مرجانہ کے موبائل سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔

"چلو بچوں رات کافی ہو گئی ہے اب دولہا میاں کو بھی اپنی دلہن کے پاس جانے دو۔" ثوبانہ لان میں ان کے پاس آ کے بولیں جہاں فیض، شبیر زیاد اور ریحط بیٹھے تھے۔

ان کا معاملہ حل کر کے جبار خان اور آرشین جان کو اوپر لالی اور ریحط کے ساتھ والے کمرے میں پہنچا کر اپنے کمرے میں آگئیں۔

"عمر! فاطمہ کیوں نہیں آئیں۔" دل میں احساس شرمندگی تھا سو ایک توقف کے بعد پوچھا۔

"مجھے بھی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ پہلے وہ تیار تھی، آخر میں آ کے انکار کر دیا۔ ابھی رابطہ بھی نہیں ہو رہا۔"

"اچھا۔" وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

"ثوبانہ۔ تم کہہ رہی تھیں کہ تمہارے پاس فیض اور شبیر کے ماں باپ کا فوٹو اور نکاح نامہ ہے۔" الجھے ہوئے تھے۔

"جی۔" ثوبانہ نے لفافہ ان کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے بے دلی سے تھام لیا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی کھولا تو نکاح نامے پہ موجود معلومات نے انہیں ہلا کے رکھ دیا۔ فوراً "تصویر اٹھائی اور کوئی شک و شبہ نہ رہا۔

"کیا بات ہے عمر۔ کیا آپ پہچانتے ہیں اس تصویر کو۔" ثوبانہ عمر خان کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگاتے ہوئے بولیں۔ وہ بغیر جواب دیے جبار خان کی طرف دوڑ گئے۔

"خان لالہ! یہ تصویر دیکھیں۔" وہ تصویر ان کے سامنے کرتے ہوئے بولے۔

"ارے یہ تو۔" کچھ توقف کیا۔

"جی بالکل یہ دلاور خان ہے۔ یہ دیکھیں نکاح نامے پہ سب لکھا ہے۔" عمر خان نے نکاح نامہ آگے کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہ ہمارا ہی خون ہیں۔" فاطر بی بی، دلاور کی سیکنڈ کزن تھیں۔

"دیکھو عمر خان! خدا نے فاطمہ کے گھر والوں کو بھی دوبارہ جوڑ دیا ہے۔ تم کہاں تک بھاگو گے، خدا نے تمہیں پھر ان سے قریب کر دیا ہے۔"

عمر خان اس حقیقت سے منہ پھیر نہ سکے کہ زیاد کے محبت بھرے قدم نے پورے خاندان کو ایک کر دیا تھا۔ ساریہ کے قدم مبارک ثابت ہوئے تھے۔ صحیح یہ حقیقت جاننے کے بعد فیض اور شبیر کے اندر یہ اطمینان اور مضبوط ہو گیا کہ وہ اسی خاندان کا حصہ ہیں بلکہ چھوٹی اماں کے ہی بھتیجے ہیں تو اور روح کو تسکین ہوئی۔ زیاد نے تو باقاعدہ نوافل ادا کیے کہ اگر اماں وہاں چلی بھی گئیں تو یقیناً "بابا جان اس پہ تھوڑا بہت تو ناراض ہوں گے مگر بات بگڑے گی نہیں۔

"عمر خان! خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ دیکھا خدا نے دلاور خان کو اولاد نہ دے کہ اولاد کی بے قدری کرنے کی سزا بھی دی ہے۔" جبار خان نے کہا۔

"لیکن کیسے۔۔۔ اللہ نے نوازا بھی ہے اور دلاور خان سے پہلے ہم نے جانا ہے کہ اللہ نے انہیں دو جوان خوب صورت بیٹوں سے نوازا ہے۔" عمر خان کے چہرے پہ ایک عجیب سی طمانیت تھی۔

☆ ☆ ☆

"دلاور لالہ! آپ نے جو فصل عرصہ دراز پہلے بوئی تھی آج اس کو کاٹنے کا وقت آن پہنچا ہے۔" فاطمہ بی بی بھائی کے سینے سے لگ کے یوں رو دیں کہ وہ بھی خود پہ جبر نہ کر سکے اور بہن کے دکھوں پہ اس کے ساتھ رونے لگے۔

دلاور خان پتھر سے بت بن گئے۔ عمر خان نے گویا اس عمر میں آ کے ان سے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کا حساب لے لیا تھا۔ دلاور خان آج اپنے فیصلے کا سوگ منانے لگے۔ سزا بھی تو آج ہی ملی تھی۔

پتھر تو شمیلا بھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے بابا جان کی حویلی چھوڑنے پہ قطعاً" تیار نہ تھی۔ اس نے اپنے لالہ کی دلہن کے استقبال کے لیے کیا کیا خواب نہ سجائے تھے۔ اسے اپنے بھائیوں کے سینے سے لگنا تھا۔ اس عورت کو بھی ماں کہنا تھا جو تمام عمران کے بابا جان کے نام سے نام جوڑے بیٹھی رہی۔۔۔ اور اماں۔۔۔ کیوں اسے زبردستی وہاں سے لے آئی تھیں۔۔۔ حالانکہ بابا نے ایک دفعہ واضح طور پہ بتا دیا تھا کہ اگر کسی نے ندی والی حویلی سے رابطہ رکھا تو وہ بابا جان کے لیے مر جائے گا۔۔۔ تو کیا وہ اور اماں آج سے بابا جان کے لیے مر گئی تھیں۔ کیا اماں بابا جان کے ساتھ دوسری ماں کو برداشت نہیں کر سکیں اور سب چھوڑ آئیں۔۔۔ مگر یہ سزا میرے حصے میں کیوں آئی؟

"اماں! مجھے یہاں نہیں رہنا مجھے اپنے بابا جان کی حویلی جانا ہے۔" ملائی ماں کا ہاتھ تھام کے حسرت سے بولی۔

فاطمہ بی بی اس کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگیں۔

"اماں! میں جانتی ہوں کہ یہ بات کوئی بھی عورت سہہ نہیں سکتی ہے۔ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی خاطر زہر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں اور آپ کو بابا جان سے بے پناہ محبت ہے، اس کی گواہی میں دوں گی۔" وہ بول رہی تھی اور فاطمہ بی بی اپنی کشتی کو طوفانوں سے نکالنے کی کوشش میں ناکام ہوتی جا رہی تھیں۔

"اماں! میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ وہ مجھے اچھا لگا مگر میں نے اس کے ساتھ کوئی وعدے نہیں کیے۔ میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اس کا کوئی ارادہ ہے تو اپنے والدین کو بھیجے بس۔۔۔ اور اس دن بھی۔" وہ فاطمہ بی بی کی طرف دیکھے بغیر بول رہی تھی مگر جب نظریں اٹھیں تو فاطمہ بی بی کا سرخ انگارہ چہرہ اسے زیاد خان سے بھی زیادہ خوفناک لگا۔ ان کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ وہ تھر تھر کانپنے لگی۔

"ملائی میری ایک بات مانے گی۔۔۔؟" وہ چپ رہی۔

"تو عمر خان کی حویلی واپس جانے کے خواب دیکھنا بھول جا۔۔۔ ان خوابوں کی تعبیر تجھے لہو رلائے گی۔ تیری آنکھوں سے آنسو نہیں بلکہ سرخ خون نکلے گا۔"

"اماں! خدا کے لیے مجھے اصل بات بتائیں۔" وہ ہاتھ جوڑ کے بولی۔

"اصل بات تو یہی ہے کہ تو زہر کھالے۔۔۔ مر جائے۔"

"کھالوں گی اماں! مگر مجھے میرا جرم تو پتا چلے۔"

"تیرا گناہ یہ ہے کہ تو نے انجانے میں ہی سہی جس کی طرف محبت بھرا ہاتھ بڑھایا ہے، اس سے تیرا رشتہ وہی ہے جو زیاد خان سے ہے۔۔۔ فیض عمر خان اور ثوبانہ کا بیٹا ہے۔" انہوں نے بالآخر خود کو اس بوجھ سے آزاد کر کے اسے کالے ناگوں اور بچھوؤں کے حوالے کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"وزیر! تمہاری خانم کہاں ہیں۔۔۔؟" واپس آ کے عمر خان کی نگاہیں اگر کسی کی متلاشی تھیں تو وہ فاطمہ بی بی تھیں۔

لالئی اور زیاد خان کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا گویا وہ وقت آہی گیا تھا جس سے وہ ڈر رہے تھے۔

"وہ خانم تو ملالئی بی بی کو لے کے ندی والی حویلی چلی گئی ہیں۔" عمر خان کی ذات کے پرخچے اڑ گئے۔ فیض اور شبیر نے آگے بڑھ کے انہیں تھاما اور ان کے کمرے میں لے آئے۔

ثوبانہ نے تڑپ کے زیاد خان کی جانب دیکھا گویا اس نے فاطمہ بی بی کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی مگر وہ انہیں کیا بتاتا کہ فیض اور شبیر کی حقیقت کھلنے میں دیر ہو گئی اور وہ اماں اور ملالئی کو جانے سے نہ روک سکا۔ اسے یقین بھی تھا کہ وہ بابا جان کو سب بتائے گا تو وہ راضی بھی ہو جائیں گے۔

آرشین بھابھی نے ساریہ کی رسمیں بے دلی سے کیں اور لالئی اور مرجانہ سے اسے اس کے کمرے میں پہچانے کا کہا۔

"عمر خان خود کو سنبھالو یار......"

فاطمہ بی بی نے ان کا مان توڑا تھا۔ وہ کس کس بات کا حساب فاطمہ بی بی سے لیتے...... مجھے تم سے محبت ہے میں تمہارے سامنے جھکا بھی فاطمہ! مگر محبت میں عزت کی قربانی نہیں دی جاتی۔

"میں جرگہ بلواؤں گا۔" عمر خان نے بہت ضبط کے بعد کہا۔ جس نے سنا دل تھام لیا۔

"نہیں نہیں...... میری اماں......" لالئی چیخ اٹھی۔

"ہائے میں مر گئی......" آرشین بھابھی نے سینہ پیٹ ڈالا۔

"عمر! کیا ہو گیا ہے تمہیں......"

"خان لالہ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" عمر خان نے سختی سے کہا۔

"بابا! تو پھر جرگے میں صرف ایک ہی فیصلہ نہیں ہو گا...... بلکہ آپ کی بڑی بیگم اور بہو کا بھی ہو گا...... طلاق صرف میری ماں ہی کو نہیں ہو گی۔" زیاد پھٹ پڑا۔

"بکواس بند کرو تم زیاد خان اور جاؤ یہاں سے۔" جبار خان نے آگے بڑھ کے اسے دروازے کی طرف دھکا دیا۔ "تم سب نے زندگی کو تماشا بنا رکھا ہے۔ جو کے منہ میں آتا ہے بکواس کرنے لگتا ہے۔ کوئی شرم کوئی لحاظ ہے تمہیں کسی رشتے کا۔ دونوں باپ بیٹا خدا بن بیٹھے ہو۔" وہ غصے سے ہانپنے لگے۔

"بابا...... کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک دفعہ میری بات سن لیجیے گا۔" زیاد خان عمر خان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"بابا جان! میری ماں بہت صبر والی ہے...... اس کے دل نے صرف اپنے دکھ درد اور تکلیف ہی نہیں سہی بلکہ ہم سب کی اذیت کو اپنے وجود میں انڈیل لیا ہے۔" ساری حقیقت جاننے کے بعد عمر خان کچھ نہ بول پائے۔ انہیں فاطمہ بی بی کی اذیتوں کا پتا ہی نہ چل سکا۔

"جاؤ...... زیاد مجھے تنہا چھوڑ دو۔ مگر یہ بات یاد رکھنا کہ اگر فاطمہ کا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھوٹا تو پھر نہ ثوبانہ اور نہ ساریہ...... کچھ نہیں بچے گا۔" وہ اتنا کہہ کے خاموش ہو گئے۔

"بابا! میں انہیں واپس لاؤں گا۔ آپ نے حوصلہ کرنا ہے پلیز...... اور پھر ہماری ملالئی بھی تو ہے وہاں...... میں خود جاؤں گا انہیں لینے۔" وہ عمر خان کی گود میں سر رکھ کے بولا۔

"جاؤ زیاد! ساریہ انتظار کر رہی ہو گی۔ اللہ بہتر کرے گا۔ میں اب ٹھیک ہوں۔" وہ متحمل لہجے میں بولے تو زیاد خان نے ایک ٹھنڈی لمبی سانس بھری۔

"ثوبانہ! تم نے بہت زیادتی کی ہے۔" ثوبانہ کمرے میں آئیں تو عمر خان شکوہ کیے بنا نہ رہ سکے۔

"عمر میں خود لینے جاؤں گی فاطمہ کو...... ہاتھ جوڑ کے معافی مانگوں گی......" ثوبانہ شرمندہ ہو کر بولیں۔ زیاد کمرے میں آیا تو صبح کے چار بج رہے تھے۔

"آئی ایم سوری یار...... دراصل بہت مسئلہ ہو گیا تھا...... لیکن اللہ نے کرم کر دیا ہے۔" وہ اسے اپنی مضبوط پناہوں میں لیتے ہوئے بولا۔

"اب سب ٹھیک ہے تم ٹینشن نہ لو۔" وہ اس کے مہندی لگے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولا اس کی شہادت کی انگلی پہ بندھا ریشمی دھاگا دیکھ کے گنگنا اٹھا۔ "یہ دھاگا نانی اماں نے باندھا ہو گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور اب اسے مجھے کھولنا ہے تاکہ صبح سب کو پتا چل جائے کہ دلہن کا سنگھار ضائع نہیں گیا۔" وہ اس کو اپنی مخمور نگاہوں کے حصار میں لیتے ہوئے بولا۔ شرم سے ساریہ کی نظریں جھک گئیں۔ گالوں پہ چھائی سرخی زیاد خان کو مدہوش کرنے لگی۔

وہ اس کے قریب ہوا تو زندگی مسکرا اٹھی۔

☼ ☼ ☼

ماما جی کی حویلی کو چاروں جانب سے باغات نے گھیر رکھا تھا۔ وہ آموں کے باغ میں بیٹھ گئی۔ عام حالات ہوتے تو شاید وہ وہاں سے جلدی جانے پہ کبھی راضی نہ ہوتی وہ جب بھی ندی والی حویلی آتی۔ زیادہ وقت اسی باغ میں گزارتی۔

"ملالئی......" کوئی اس کے کان کے قریب سرگوشی میں پکارا۔

"لالہ...... لالہ......" یقین نہ آیا کہ وہ سامنے مجسم موجود تھا۔ وہ بے یقینی کی حالت میں اسے چھو کے محسوس کرنے لگی کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہی۔

"لالہ! آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا ہے جو مجھے تڑپنے کے لیے اس اذیت کے ساتھ زندہ چھوڑ دیا۔ نیکی کرتے، مجھے مار دیتے۔"

"اور پھر میں فیض کے ہاتھوں بیوہ ہو جاتی، تم اچھی ہمدرد ہو بھابھی کی......" ساریہ آگے بڑھ کے بولی تو ملالئی اس سے لپٹ گئی۔

"سنو اب رونا نہیں ہے اللہ نے سب ٹھیک کر دیا ہے وہ صرف تمہارے لیے ہے۔ اللہ نے تم دونوں کا جوڑ لکھ دیا ہے۔" ساریہ نے اس کے کان میں دھیرے سے کہا۔ وہ حیرانی سے ساریہ کی شکل دیکھنے لگی۔

"سب جان جاؤ گی بس اتنا جان لو کہ تمہاری محبت نے ہر بلا ٹال دی ہے۔" ساریہ کی باتوں سے کچھ اچھا ہونے کا اعلان ہو رہا تھا۔

"اچھا اب جلدی سے ہمیں اماں کے پاس لے کے جاؤ کہ بہو صاحبہ نے سلام کرنا ہے۔" زیاد نے کہا تو وہ جلدی سے اماں کے کمرے کی طرف بھاگی۔

"اماں مجھے معاف کر دینا، میں نے حالات کا مقابلہ کرنے کے بجائے ساری تکلیف آپ کے سپرد کر دی۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

پھر اس نے تمام کہانی انہیں کہہ سنائی۔

"یہ تو کیا کہہ رہا ہے زیاد...... فیض اور شبیر میرے دلاور لالہ کے بیٹے ہیں۔" خوشی سے ان کی آواز تھرتھرانے لگی۔

"جی اماں...... سب ثبوت موجود ہیں...... دونوں کے برتھ سرٹیفکیٹ سمیت......" دروازے میں کھڑی ملالئی کو لگا کہ آسمان سے جیسے پھول ہی پھول برسنے لگے ہوں۔ دل کو کچھ سکون میسر آیا تو زیاد نے سرشار لہجے میں کہا۔

"اماں! آپ باہر آئیں آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے۔" اور جب وہ باہر آئیں تو بے ساختہ مسکرا اٹھیں۔

"ساریہ......!" انہوں نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"ارے زیاد تجھے کسی نے روکا نہیں...... نئی دلہن کو گھر سے باہر اتنی جلدی نکال دیا۔" وہ ناراض ہوئیں۔

"اماں اس نئی دلہن کی ہی فرمائش پوری کی ہے۔" وہ ہنسا۔

"اللہ تم دونوں کی جوڑی سلامت رکھے اور دین و دنیا کی ہر خوشی دے۔" انہوں نے ایک ہی دعا میں انہیں سب کچھ دے دیا۔

☼ ☼ ☼

"عمر خان پسند کی شادی کر کے آیا تو تمہیں اور تمہارے خاندان کو یہ بہت بڑی بے عزتی لگی تھی، اس لیے تم نے ایک ایک مربع زمین رشوت دے کے منصفوں سے اپنی مرضی کا وہ ذلت آمیز فیصلہ کروایا اور عمر خان کی بیوی کو بے یار و مددگار شہر میں اس طرح پھینک آئے کہ وہ بے آسرا عورتوں کے مرکز پہنچ گئی۔

وہاں اس نے عمر خان کے ایک مردہ بچے کو جنم دیا۔۔۔ مگر اسی جگہ قدرت نے ۔۔۔ ایک اور لاوارث عورت کو دو جڑواں بچوں سے نوازا۔

اس عورت کی حالت بہت خراب تھی۔ اس نے خواہش ظاہر کی کہ اس کے بچے ثوبانہ عمر خان کے حوالے کر دیے جائیں۔ اس کے ساتھ اس نے اپنا نکاح نامہ اپنی شادی کی تصویر جس میں وہ اپنے شوہر کے ساتھ موجود تھی، وہ بھی حوالے کیں۔۔۔ ثوبانہ نے ان بچوں کو جنم نہیں دیا۔۔۔ باقی اس نے ان کی ماں ہونے کا مکمل ثبوت دیا۔ ان کی تعلیم و تربیت، انہیں زمانے کے گرم و سرد ہر صورت حال میں اپنے پروں تلے چھپائے رکھا۔

پتا ہے وہ بچے کس کے ہیں۔ ان کا باپ کون تھا؟" جبار خان آج عمر خان، زیاد، شبیر اور فیض کے ساتھ ندی والی حویلی آئے ہوئے تھے۔

"کک۔۔۔ کون جبار خان۔۔۔؟" دلاور خان نے گڑبڑا کر پوچھا۔

"ان بچوں کے باپ تم ہو دلاور خان تم۔۔۔ تم نے یہ سب اس لیے کیا کہ جو سزا تم نے جرگے میں عمر خان اور اس کی بیوی کو سنوائی تھی اس سے کئی گنا زیادہ سزا مل سکتی تھی۔" ہر طرف ہی خاموشی چھائی تھی۔

"اللہ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے دلاور خان! دیکھو ان بچوں کے علاوہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے پھر اولاد کی نعمت سے نہیں ۔ نوازا۔ ساری عمر اولاد کے ہوتے ہوئے بھی بے اولاد رہے۔ اب بھی دعویٰ کر کے دکھاؤ ۔۔۔۔ ہم بھی جرگہ بلائیں گے۔ دیکھتے ہیں کہ تم کیسے اپنے بچوں کو حاصل کرو گے۔" عمر خان نے بھی اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔

مگر دلاور خان کوئی حساب دیے بغیر ہی دل پہ ہاتھ رکھ کے ایک طرف جھک گئے۔ زیاد اور باقی سب بھاگ کے ان کی طرف بڑھے۔۔۔

"ہسپتال پہنچنا پڑے گا فوراً" ۔۔۔ ہارٹ اٹیک ہے۔" زیاد چلایا ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر سب ہسپتال دوڑے۔

عمر خان نے بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے کہ اب ان سے رشتہ بہت قریب ہو گیا تھا فاطمہ کے بھائی اور فیض اور شبیر کے باپ سے بھلا کوئی دشمنی ہو سکتی تھی۔ کتنے ہی صدمے کیے گئے، کتنے ہی آنسو فیض اور شبیر کی آنکھوں سے بہے تب پانچویں دن ڈاکٹر نے حوصلہ افزا خبر سنائی۔

"دلاور خان! جب سب حساب ختم ہو گئے۔ تب تم نے ہمیں امتحان میں ڈالنے کی ٹھانی۔" عمر خان ہاسپٹل کے بیڈ پہ نڈھال پڑے دلاور خان کا ہاتھ تھام کے بولے تو وہ نقاہت سے مسکرائے۔

"عمر خان۔۔۔" ان کے ہاتھ کانپتے ہوئے اٹھے اور عمر خان کے سامنے جڑ گئے۔ "مجھے معاف کر دو اور فاطمہ کو بھی۔ آج مجھ سے جو مانگو گے حاضر ہوں گا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہے تھے۔

"دلاور خان۔۔۔ مانگوں گا تم سے کچھ۔۔۔ جب تم گھر جاؤ گے۔"

دلاور خان نے ریحط خان کو کہہ کے فیض اور شبیر کو بلوایا اور کتنی ہی دیر ان کا ہاتھ ہاتھ میں رکھا۔ یہ احساس کتنا خوش کن تھا کہ وہ دو جوان بیٹوں کے باپ تھے۔

"ثوبانہ بھابھی! ہمیں معاف کر دیجیے گا۔" دلاور خان کی بیگم نے آگے بڑھ کے ثوبانہ عمر خان کے ہاتھ جوڑ دیے۔

"بس کریں بھابھی! اب یہ سب بھول جائیں۔" ثوبانہ نے کہا اور ان کے گلے لگ گئیں۔

"ثوبانہ! ہم نے آپ کے ساتھ جو کیا اس کی سزا ہم نے خود بھی سہی ہے۔"

"معافی کا معاملہ اوپر والے پہ چھوڑ دیں۔ اللہ نے اس حویلی کی خوشیاں لوٹا دی ہیں۔۔۔ آپ کو آپ کے بچے مبارک ہوں۔" ثوبانہ کا اپنا دل یہ کہتے ہوئے رو پڑا اور ان کی آواز کا درد بھائی سب کے دل بھی چیر گیا۔

یہ آسان تو نہ تھا کہ جن کے سنگ زندگی گزار دی، انہیں پل میں خود سے جدا کر دینا۔

"نہیں بھابھی۔۔۔ یہ آپ کے ہی بچے ہیں۔ آپ کے ساتھ ہی رہیں گے ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ

اللہ نے ہمیں بے نام نہیں رکھا۔" دلاور خان نے کہا۔

"لیکن یہ فیض کہاں ہے، وہ کیوں نہیں آیا۔" دلاور خان نے سب پر نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

"دراصل وہ اس لیے نہیں آیا کہ اسے شرم آ رہی تھی۔" ثوبانہ مسکرا کے شمیلا کو دیکھ کے بولیں۔

"شرم کیوں۔۔۔"

"بھئی، یہاں اس کی دلہن قبضہ جو جما کے بیٹھی ہے۔" اب کے انہوں نے ملائکہ کو ساتھ لگا لیا تو دلاور خان نے شبیر سے تصدیق چاہی۔

"کیا واقعی اسے ملائکہ اچھی لگتی ہے۔"

"اف بابا جان! لیلیٰ مجنوں کی داستان ہے پوری۔" وہ بازنہ آیا۔

"اور تمہارا بھی کوئی ہیر رانجھا والا قصہ تو نہیں ہے۔" ہوں۔" دلاور خان نے آخری بات بھی کر دی، جو دل میں تھی۔

"فکر نہ کرو۔۔۔ وہ باقاعدہ احترام سے ہمارے ساتھ جائیں گی۔" عمر خان نے کہا تو انہوں نے پرسکون ہو کے آنکھیں بند کر لیں۔

بابا جان نے اسی جمعے کو زیاد خان کا ولیمہ طے کر لیا تھا اور اسی دن ملائکہ کی فیض اور شبیر کی مرجانہ سے منگنی کا اعلان بھی ہونا تھا اور شادی پورے پندرہ دنوں بعد طے ہونی تھی۔ عمر خان اور دلاور خان نے باہمی رضامندی سے یہ سب طے کیا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ سب سیٹل ہو تو وہ دونوں یونیورسٹی جائیں اور اپنی اسٹڈیز مکمل کریں۔ مگر اس سے پہلے ثوبانہ کی مکمل رضامندی سے فیض اور شبیر کو حویلی بھیج دیا گیا۔ انہیں اپنے بیمار بابا کی خدمت بھی تو کرنی تھی۔

"خان مجھے آپ سے معافی مانگنی ہے۔" مسلسل نظر انداز کرنے پہ فاطمہ بی بی کو ہمت کر کے ان کے بیڈ روم تک آنا ہی پڑا۔

"آپ کو اس اذیت کا اندازہ ہے جو میں نے سہی ہے؟" وہ سخت لہجے میں بولے۔

"اور! آپ اس تکلیف کا اندازہ لگا سکتے ہیں جس سے میں گزری ہوں؟"

کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا کچھ کفارہ ادا کرنا چاہ رہے تھے۔

"دلاور خان! میں چاہ رہا تھا کہ شبیر کا رشتہ اگر خان لالہ کی بیٹی مرجانہ سے ہو جائے تو۔" وہ جھجکتے ہوئے بولے تو دلاور خان ہنس پڑے۔

"عمر خان! میں نے ان کی ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھوا لیا۔ یہی بہت ہے۔۔۔ باقی ان کی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کا اختیار تم لوگوں کے ہی پاس ہے۔ ہاں ایک درخواست کروں گا کہ صرف ان کی شادیوں کے فرض مجھے ادا کر دینا کہ میں ان کے ساتھ اپنے رشتے کو محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" دلاور خان نے حسرت سے کہا تو عمر خان نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"عمر خان! فاطمہ کی غلطی کی معافی میں تم سے مانگتا ہوں۔" دلاور خان نے آخری بات بھی کر دی، جو دل میں تھی۔

"فکر نہ کرو۔۔۔ وہ باقاعدہ احترام سے ہمارے ساتھ جائیں گی۔" عمر خان نے کہا تو انہوں نے پرسکون ہو کے آنکھیں بند کر لیں۔

بابا جان نے اسی جمعے کو زیاد خان کا ولیمہ طے کر لیا تھا اور اسی دن ملائکہ کی فیض اور شبیر کی مرجانہ سے منگنی کا اعلان بھی ہونا تھا اور شادی پورے پندرہ دنوں بعد طے ہونی تھی۔ عمر خان اور دلاور خان نے باہمی رضامندی سے یہ سب طے کیا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ سب سیٹل ہو تو وہ دونوں یونیورسٹی جائیں اور اپنی اسٹڈیز مکمل کریں۔ مگر اس سے پہلے ثوبانہ کی مکمل رضامندی سے فیض اور شبیر کو حویلی بھیج دیا گیا۔ انہیں اپنے بیمار بابا کی خدمت بھی تو کرنی تھی۔

"خان مجھے آپ سے معافی مانگنی ہے۔" مسلسل نظر انداز کرنے پہ فاطمہ بی بی کو ہمت کر کے ان کے بیڈ روم تک آنا ہی پڑا۔

"آپ کو اس اذیت کا اندازہ ہے جو میں نے سہی ہے؟" وہ سخت لہجے میں بولے۔

"اور! آپ اس تکلیف کا اندازہ لگا سکتے ہیں جس سے میں گزری ہوں؟"

"عمر خان! مجھے خوشی ہو گی۔" وہ شاید اس بندے

"فاطمہ! آپ مجھ سے شیئر کر لیتیں تو ہم مل کے کوئی راستہ نکال لیتے۔" عمر خان فوراً" نرم پڑے۔

"میں نے تو زیاد اور آپ کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ بھرا میں نے جو سہا ہے آپ کی محبت میں اس کے مقابلے میں آگ کا دریا پار کرنا آسان تھا خان۔" فاطمہ بی بی نے پہلی دفعہ اپنی اذیتوں کا اقرار کیا۔

"تم ... حویلی سے جا کے مجھ سے سب اذیتوں کا بدلہ ایک ساتھ لے چکی ہو۔ اگر تم نہ لوٹتیں تو زندگی مجھے ایک دفعہ پھر وہاں لے جاتی جہاں سے میری اذیتوں کا سفر شروع ہوا تھا۔" عمر خان نے فاطمہ بی بی کو اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ نے اپنی انا کا جھنڈا پھر بھی نیچے نہیں ہونے دیا۔ کتنی شان سے میری خوش فہمیوں کو یہ کہہ کے توڑ دیا کہ آپ صرف اپنی بیٹی کو ہی لینے آئے ہیں۔" انہوں نے یاد دلایا تو اونچی آواز میں ہنس پڑے۔

"ارے اتنا ستانا بھی حق نہیں تھا..... باقی میرے دل کی حالت اپنے دل پہ ہاتھ رکھ کے خود سے پوچھ لیں۔ میرے پاس تو کوئی گواہ نہیں ہے۔" وہ محبت سے بولے۔ فاطمہ جھینپ گئیں۔

☼ ☼ ☼

تو یہ تھی میری زندگی کی داستان.... کیسے کیسے طوفان آئے اور گزرتے چلے گئے کچھ کی شدت کا اندازہ میں کر پایا اور کچھ کی مجھے ہوا بھی نہ لگی۔ اب جب سب اپنے اپنے مقام پہ پہنچ چکے ہیں شبیر بھی باہر ملک سے مرجانہ کی سرجری کروانے کے بعد خوش ہے۔ میرے فیصلے سے جو اسے دھچکا لگا تھا' مرجانہ کی خدمت' وفا اور معصومیت سے پیار و محبت میں بدل گیا۔ اب تو مجھے پر سکون نیند آنی چاہیے لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں اب بھی اپنے اندر ایک کسک سی پاتا ہوں۔ میری آزمائش تو اب بھی وہیں تھی۔

ثوبانہ میری زندگی میں آنے والی پہلی عورت..... اسے طویل مسافت کے بعد منزل ملی تھی۔ اسے اپنی محبت کو محسوس کرنا تھا اور اس میں وہ کئی دفعہ دوسروں کے جذبات کو بھول جاتی تھی۔

اس کا خیال تھا کہ فاطمہ میرے ساتھ ساری زندگی گزار چکی ہے اب اسے بھی میرے معاملات سنبھالنے کا اختیار ہے۔

وہ جانتی تھی کہ فاطمہ ایک عرصے سے عمر خان کا ناشتہ تیار کرتی تھی۔ مگر ثوبانہ نے یہ ذمہ داری اٹھا لی اس لیے نہیں کہ مجھے فاطمہ سے چھیننا تھا بلکہ اس لیے کہ وہ میری محبت کو محسوس کرنا چاہتی۔

"خان آپ کے کپڑے....." فاطمہ نے مجھے کپڑے لا کے دیے تو ثوبانہ نے اعتراض اٹھا دیا کہ عمر پہ یہ رنگ سوٹ نہیں کرتا۔

اس نے فاطمہ کے ہاتھ سے کپڑے لے کے الماری سے استری شدہ دوسرے کپڑے نکال کے میری طرف بڑھائے۔ مجھے فاطمہ کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ کے افسوس ہوا تھا۔

"یہ تو سچ ہے کہ خان پر ہلکے رنگ بہت اچھے لگتے ہیں۔" فاطمہ نے بھی جھٹ حمایت کر ڈالی۔

"نہیں بھئی' آج تم دونوں کی پسند سے نہیں بلکہ میں اپنی پسند سے کپڑے پہنوں گا۔" وہ معاملہ میں نے اس طرح نمٹایا۔

ثوبانہ اکثر رات کو باتیں کرتے کرتے میرے کمرے میں سو جاتی۔ مگر فاطمہ کے چہرے سے اندازہ نہ ہوتا کہ اسے یہ برا لگا ہے۔

اب عمر کا وہ حصہ نہ تھا کہ نفس امتحان لیتا..... اس معاملے میں تو تینوں کی زندگیوں میں تشنگی باقی تھی۔ بس ایک ساتھی کا سہارا پانے کی طلب تھی۔

مجھے کبھی کبھی لگتا زندگی میں بیک وقت دو محبوب بیویوں کے ساتھ انصاف کرنا سخت مشکل ہے۔

"خان اگر آپ اجازت دیں تو میں دلاور لالہ کی طرف کچھ دنوں کے لیے چلی جاؤں۔ بچے بھی سب آئے ہوئے ہیں اور شبیر کا وہ چھوٹا فیس تو بہت ہی یاد آتا ہے اور ملا لئی کی طبیعت بھی آپ جانتے ہیں۔ ان دنوں بڑا حوصلہ ہو جاتا ہے۔" اس دن فاطمہ نے بہانے سے کچھ دن دور ہونا چاہا۔

"عمر... جانے دیں فاطمہ کو..... میں ہوں نا۔" میں نے سوچنے میں تھوڑا وقت لیا تو ثوبانہ نے جھٹ کہا۔

"نہیں..... ابھی جاؤ' شام کو واپس آجانا فاطمہ..... اور ثوبانہ! میرے فیصلوں میں بولنے کی ضرورت نہیں..... میں بہتر جانتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔" پہلی دفعہ میں نے یہ لہجہ اختیار کیا تھا۔ ثوبانہ شرمندہ ہو گئی۔

"عمر..... مجھے نہیں لگتا کہ تم دونوں میں انصاف کر پاؤ گے۔ وہ دونوں ہی انصاف کی حق دار ہیں..... ثوبانہ نے ایک عمر تمہاری محبت میں گزاری۔ اس نے تمہاری خاطر بہت کچھ قربان کیا ہے۔ اپنے ماں باپ گھر بار حتی کہ اپنی ساری عمر۔ وہ اب اگر تمہاری قربت اور سنگت میں رہنا چاہتی ہے تو کیا یہ غلط ہے؟" ایک دن جبار لالہ نے مجھ سے کہا۔

"فاطمہ نے بھی میری خاطر بہت کچھ سہا ہے' آج اگر ثوبانہ اس گھر میں ہے تو یہ فاطمہ کی اعلا ظرفی کی وجہ سے ہے۔" میں نے انہیں جواب دیا۔

"عمر خان! انصاف رکھنے کے لیے حق دار کے حق پہ سختی سے جم جایا کرو' چاہے وہ ثوبانہ ہو یا فاطمہ..... تب ہی انصاف کی حرمت کو پا سکو گے۔ تمہاری تکمیل ان دونوں کے دم سے ہے۔ ثوبانہ تمہیں عمر اور فاطمہ خان کہتی ہے۔ تمہارے نامکمل پن کو وہ دونوں ہی مکمل کر سکتی ہیں۔"

ثوبانہ کو بھی اب زندگی مزا دینے لگی تھی۔ اب اسے کوئی خدشہ نہ ہوتا۔ یہ گھر اس کا اپنا تھا۔ مکمل حکمرانی تھی۔ زیاد خان اور ساریہ نے گھر کو جنت بنا لیا تھا۔

دوسری طرف فاطمہ کے چہرہ پہ بھی عجیب سی طمانیت تھی۔ فیض' شبیر مرجانہ' ملالئی' دلاور لالہ ہر دوسرے دن آجاتے یا اسے آکے لے جاتے۔

"بابا جان کیسے دو دو بیگمات کو اتنا خوش رکھتے ہیں۔ ہم سے تو ایک بھی نہیں سنبھالی جاتی۔" اس روز شبیر نے شرارت سے کہا تھا۔ اس کی بات پر سب مسکرا دیے تھے۔

"اس راز کی کنجی میرے پاس ہی رہنے دو۔ یہ نہ ہو کہ تم بھی ٹرائی مارنے لگو۔" میں نے بھی مذاقاً" جواب دیا۔

"ارے توبہ کریں بابا جان! آپ نے جو بیگمات پسند کی ہیں ویسی بہت مل جاتی ہیں مگر میری بیگم جیسی ہے ہی نہیں دنیا میں کہ میں رسک لوں۔" وہ شرمانے والی مٹی سے تو بنا ہی نہیں تھا۔ مرجانہ کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ گیا تھا۔

"اچھا تیری ماما اور اماں جیسی بہت ہیں اور مرجانہ جیسی کوئی نہیں' بہت نایاب ہے نا تمہاری بیگم۔" ثوبانہ نے اسے کان سے پکڑ کے کہا تو وہ بلبلا اٹھا تھا۔

مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ آج اس باغ کا ہر پھول مسکرا رہا تھا۔ کالے بادل چھٹ چکے تھے۔ اداسی میں ڈوبے چاند کا کہر یکدم غائب ہو چکا تھا۔ ہر بلا رد ہو چکی تھی۔ خلوص دل سے مانگی ہوئی دعا اللہ کبھی نہیں ٹالتا کہ.....

عشق دعا ہے..... ردّ بلا ہے!